بساطِ زیست
فرحانہ ناز ملک
پاک

ناولٹ

بساطِ زیست

فرحانہ ناز ملک

"مالا ...... مالا سویٹ ہارٹ ...... ارے جانِ من
[illegible]نتی ہو۔" پیارہ[illegible]ی یہ پکار اس کے سر پر تو ہتھوڑا بن کر
[illegible]ی تھی کہ ہاتھ پر اچھی بھلی گول روٹی توے پر جاتے ہی
[illegible]یت بگاڑ گئی۔ جس طرح سے روٹی نے توے پر جلنا
[illegible]روع کیا بالکل اسی طرح سے اس کا دل جلنے لگا۔
"جانم ...... ذرا ادھر تو آؤ ...... مالا یار۔" جب تک
[illegible] بیڈروم میں جا کر حاضری نہ لگا آتی ان فلمی پکاروں
[illegible]نے ختم نہیں ہونا تھا۔ تبھی تو جلتے کلستے وہ ہوا کی رفتار کو
مات دیتی کچن سے بیڈروم کی جانب بڑھی۔
"پاپا ہوشیار ...... جیٹ جہاز آ رہا ہے [illegible]"
ٹیبل پر ناشتے کے انتظار میں بیٹھا عبداللہ [illegible] کی
طرح جاتے دیکھ کر باپ کا ہمدرد بن کر چلایا [illegible] "پاپا
صاحب" مصنوعی بدحواسی کا شکار ہو گئے۔
"ارے باپ رے ...... [illegible]
وہ اس کے سر پر نہ صرف پہنچ چکی تھی بلکہ [illegible]
نظروں سے دیکھ بھی رہی تھی۔ مزید بے [illegible]

بھال خاصی دلچسپی سے اپنی نازک اندام بیگم کا سرتاپا جائزہ لیا کہ جو اس وقت ایسی لگ رہی تھی جیسے روٹی نہ پکا رہی ہو بلکہ آٹے کے ساتھ کشتی لڑ رہی ہو۔ صرف ہاتھ ہی نہیں بال اور چہرہ بھی آٹا آٹا ہو رہے تھے اور کپڑے تو آٹا گوندھتے وقت ہی کچھ کے کچھ ہو جایا کرتے تھے۔

"وہ...... اصل میں ناں ...... تائی' جرابیں' رومال۔" اس کی شعلہ بار نظروں سے گھبرا کر مزیب نے باقاعدہ منمناتی آواز میں اپنی پریشانی بتائی۔ جسے سن کر اس نے آٹے میں لتھڑے ہاتھوں کی پروا کیے بغیر زور سے وارڈ روب کے متعلقہ خانے کھول کر اس کی ترتیب سے رکھی چیزیں دکھائیں۔ مزیب سر پہ ہاتھ پھیر کے رہ گیا۔

"روزانہ......" دانت پیستے ہوئے اس کے سامنے آ کر وہ غرائی "رات میں آپ کی یہ سب چیزیں آپ کو بتا بتا کر رکھتی ہوں پھر بھی آپ صبح صبح اٹھ کر چنگھاڑنا شروع کر دیتے ہیں' یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرے ٹائم کا کتنا حرج ہو جاتا ہے...... وقت پر عبداللہ اور آپ کا ناشتا تیار کرنا ہوتا ہے' پر ناں جی...... آپ کی تو دشمنی ہے مجھ سے۔" آخر میں لہجہ اچھا خاصا گلوگیر ہو گیا۔ قبل اس کے کہ مزیب کچھ رومینٹک جملے اچھال کر مزاج یار کو درست مقام پر لاتا وہ تنتناتی ہوئی واپس جیٹ جہاز کی طرح اڑ کر کچن سدھار گئی۔ مزیب نے اپنی تیاری مکمل کی اور ٹیبل پر عبداللہ کے ساتھ جا بیٹھا۔

"یار کیا خیال ہے آپ کی ماما چینج نہ کر لیں؟ روزانہ ناشتا دیر سے کراتی ہیں۔" عبداللہ کو آنکھ مار کر مزیب نے ایک بار پھر بھڑوں کے چھتے کو چھیڑا اور وہ واقعی چھڑ گئی۔

"میری بلا سے ایک چھوڑ چار لے آئیں۔" اس کے سامنے ناشتا رکھتے ہوئے وہ کھا جانے والے انداز میں بولی۔ مزیب نے سر جھکا کر مسکراہٹ چھپائی۔

"یہ صحیح ہے...... پھر تم اپنی مرضی سے پلنگ توڑنا' دن چڑھے تک سوئی رہنا وہ چاروں تمہاری کنیزیں بن کر گھر اور گھر والے کو سنبھالیں گی' کیا خیال ہے؟"

"مزیب......" موٹی موٹی آنکھوں میں نمی آتے دیر نہ لگی اور مزیب کی ساری شوخی نمی دیکھ کر ہوا ہو گئی۔ ہاتھ سے پکڑ کر اسے قریبی چیئر پر بٹھا دیا۔

"پاپا آپ میری ماما کو رُلا دیتے ہیں ناں!" سوں سوں کرتی مما عبداللہ کی بے چینی میں اضافہ کر گئی۔

"نہیں یار...... ہم تو مذاق کر رہے تھے آپ کی ماما تو ون اینڈ اونلی ہیں' ان کی جگہ کوئی اور لے سکتا ہے کیا؟" اس کا روٹھا روٹھا سرخ چہرہ دل میں اتار کر مزیب نے صدقِ دل سے کہا تو عبداللہ کی تسلی ہوئی۔

"مجھے پتا ہے آپ کو میرے کام پر اعتراض رہتا ہے میری ککنگ اچھی نہیں لگتی اسی وجہ سے آپ دل جلانے والی باتیں کرتے ہیں۔"

"اللہ گواہ ہے۔" گرم گرم چائے کا سپ لینے کے بعد وہ بہ سرعت بولا "میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔ یار میں تو تب بھی تمہاری روٹیاں آنکھیں بند کر کے کھا لیا کرتا تھا جب...... انہیں کھانے کے بعد مجھے اپنی خیریت مشکوک لگنے لگتی تھی۔ نقشے تو خیر ہوتے ہی تھے لیکن کچھ اتنی کچی کہ بالکل آٹا اور کچھ اتنی پکی ہوئی کہ کالی سیاہ...... میں کیسے شیر و شکر ہو کر کھا لیتا تھا۔" یوں تو وہ اس

کی دل جوئی کر رہا تھا لیکن آنکھوں سے جھلکتی شوخی مالا سے کہاں پوشیدہ رہ سکتی تھی' ایک بار پھر وہ کٹ کھنی بلی بن گئی۔

"تو لے آنی تھی کوئی روٹیاں پکانے والی ایکسپرٹ میں تو شاید ہی کبھی کام کی روٹیاں پکاؤں۔"

"جانِ من۔" نیپکن سے ہاتھ منہ پونچھتے ہوئے اس نے آنکھوں کو خوابیدہ سا بنا کر اسے دیکھا۔

"شادی روٹیاں پکانے والی ایکسپرٹ سے تھوڑی کی جاتی ہے بلکہ......" پوری امید تھی کہ اگلا جملہ بجھ کتا ہوا ہو گا مالا کو سننے میں اعتراض نہیں تھا لیکن عبداللہ کی موجودگی اسے حواسوں میں لے آئی۔

"بس' بس رہنے دیں گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کے علاوہ آپ کو اور کچھ نہیں آتا' اٹھیے عبداللہ کے اسکول کا ٹائم ہو رہا ہے۔" وہ خود بھی اٹھ کر جلدی جلدی برتن سمیٹنے لگی۔

"چلو بھئی پاپا کے جگر...... آپ کی ماما یوں ہی ہمارے جذبات کا خون کر دیتی ہیں۔" اسے اچھی طرح سے نظروں سے میں اتار کر دن بھر کے لیے توانائی گویا اپنے اندر سموئی' مالا نظر انداز کیے بجلی کی سی تیزی سے یہاں وہاں چکراتی پھرتی رہی۔ عبداللہ کا بیگ مزیب کے حوالے کیا اور عبداللہ کے پھولے پھولے سرخ گال کا زوردار بوسہ لیا۔

"میری باری۔" عبداللہ پورچ کی طرف بھاگا تو مزیب چہرہ قریب کر کے منمنایا۔ مالا کی مارے شرم کے نظریں ہی فرش نشیں ہو گئیں۔

"بہت بے حیا ہو گئے ہیں آپ' جائیے...... عبداللہ آوازیں لگا رہا ہے۔" اسے پرے سے دھکیل کر وہ اپنی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے بولی تھی۔

"دہائی ہے دنیا والو...... بندہ اپنی بیوی سے رومینس کرے تو بے حیا...... پھر کس سے کرے؟" جانے سے پہلے مزیب نے کہا اس کے چہرے پر عود آنے والی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

دونوں کو سی آف کر کے وہ واپس کچن میں آئی تو دن بھر کے کاموں کا سوچ کر موڈ ہی بگڑ گیا "کاش میرے پاس کوئی جادو کی چھڑی ہوتی جسے ہلانے سے خود بخود برتن دھل جاتے' جھاڑو صفائی' کپڑوں کی دھلائی سب ہو جاتی...... پر میری قسمت۔" نہایت بے دلی و بے نیازی سے اس نے برتن دھوئے پھر کچن صاف کیا اس کے بعد باقی سارے گھر کی صفائی شروع ہو گئی۔

☆☆☆

کسی زمانے میں زندگی یوں روٹین کے کاموں میں الجھی ہوئی نہ تھی' تین بہنوں اور دو بھائیوں میں وہ تیسرے نمبر پر تھی بھائی دونوں اس سے بڑے تھے۔ دو بھائیوں کے بعد انٹری مارنے کی وجہ سے اس نے جی بھر کر لاڈ اٹھوائے تھے جس کی وجہ سے وہ صرف دکھنے میں ہی نہیں بلکہ انداز و اطوار میں بھی نازک اندام ہو گئی تھی۔ میٹرک تک اسے نہیں یاد اس نے کبھی گھر کی صفائی ستھرائی کی ہو' جھاڑو لگانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' ڈسٹنگ سے بھی وہ بری الذمہ تھی' ان کاموں کے لیے ملازمہ مختص تھی لیکن شام میں امی ایک بار پھر جھاڑو لگایا کرتی تھیں' ایسے میں اسے تو نہیں چھوٹی بہن مزنہ کو دیکھ کر حیا آئی کہ بیٹیوں کے ہوتے ہوئے امی کیوں کام کریں سو شام میں جھاڑو لگانا مزنہ کی ذمے داری بن گئی۔

پہلے پہل تو امی کچھ نہیں کہتی تھیں لیکن پھر جب اس کے نخرے نفاست بڑھتے دیکھی کہ جواب اپنے حصے کے برتن سب سے چھوٹی رملہ سے دھلوانے لگی تھی تب امی روایتی ماں کا روپ دھار گئیں اور مختلف کاموں کی باریاں رکھ دیں۔ جس پر پہلے تو اس نے خوب پیچ و تاب کھائے پھر یہ کرنے لگی کہ کاموں کا ادل بدل کرا کے باری بھگتانے لگی۔ اسے سب کاموں میں جھاڑو دینے سے چڑ ہوتی تھی۔ سو وہ بخوشی مزنہ کی باری کے برتن دھو لیتی یا آٹا گوندھ دیتی پر جھاڑو دینا اس کے ذمے لگا لیتی۔

"لوگ ہاتھوں کی حفاظت کے لیے برتن دھونا گناہ سمجھتے ہیں اور تم بخوشی برتن دھو لیتی ہو میں ہوتی تو جھاڑو دینے کو ہر کام پر ترجیح دیتی۔" غزل کو اپنی عادت کا بتایا تو اس نے کھل کر اعتراض کیا لیکن وہ کیا کرتی اسے

جھاڑو لگانا دنیا کا مشکل ترین کام لگتا تھا' صوفوں کے نیچے' بیڈ کے نیچے' ٹرالیاں گھسیٹ کر غرضیکہ جھاڑو لگانے میں حقیقتاً اسی بن جاؤ جو اسے گوارا نہیں تھا۔

دوسرے وہ کلکنگ سے بھی دور رہی' یہاں بھی مزنہ نے نمبر بنائے' کچھ وہ گھر کے کام کرنے کی شوقین زیادہ تھی اس سے ایک سال ہی چھوٹی تھی۔ امی کو کلکنگ کرتے دیکھ دیکھ کر اس میں یہ شوق بھی پروان چڑھ گیا اور چند ہی دنوں میں کلکنگ کی ذمے داری آپوں آپ اس کے نازک کندھوں پر آ گئی حالانکہ ابھی وہ اسکول گرل تھی اور مالا سے ایک کلاس پیچھے تھی۔ امی نے جب دیکھا کہ چھوٹی والی تو گھر سنبھالنے میں طاق ہو رہی ہے اور بڑی کو باتیں بنانے سے فرصت نہیں تب انہوں نے اسے کچن کے کاموں کی طرف راغب کرنے کا مشکل بیڑا اٹھایا۔

امی اور مزنہ فجر کے وقت جاگ جاتی تھیں' اسے صبح ہی صبح نیند قربان کرنا محال ہی نہیں ناممکن بھی لگا کرتا سو وہ بڑی لمبی تانے رہتی لیکن پھر امی نے اپنے جاگنے کے بعد اسے بھی کھینچ کھانچ کر جگانا شروع کر دیا۔ یہی نہیں صبح کی بننے والی پہلی چائے بھی اس کے ذمے لگا دی جسے اس نے ناک بھوں چڑھا کر قبول کیا۔

امی اسے کیتلی میں دودھ' پانی' پتی اور چینی ایک ساتھ ڈال کر یہ آرڈر پاس کر دیا کرتی تھیں۔

''جب اس میں ابال آ جائے اچھی طرح تو چکھ کر چینی یا پتی جس کی بھی ضرورت ہو ڈال دینا۔'' وہ جمائیاں لے لے کر اس مکسچر کے بوائل ہونے کا انتظار کرتی جب وہ بوائل ہو جاتا پھر حلق پھاڑ کر امی سے پوچھتی۔

''امی...... یہ ابل گیا...... اب اس میں اور کیا ڈالوں؟'' سن کر امی سر تھام لیتیں۔

''اب اس میں نمک مرچ ڈال دے۔'' بگڑ کر وہ جواب دیتیں اور ساتھ ہی بھاگ کر کچن میں بھی جاتیں کہ اس عقل کی اندھی سے کوئی بعید نہیں تھی' ڈال ہی دیتی۔

صبح کی یہ پہلی چائے وہی پیتے جنہیں اسکول' کالج' یونیورسٹی وغیرہ جانا ہوتا اور پی کر خوب گرم ہوتے رہتے۔

''امی پلیز آپ خود ہی بنایا کریں ناں۔ چائے تو گرم پانی لگ رہی ہے۔'' بڑے بھائی ہو... اعتراض کرتے وہ ڈھیٹ بنی سنتی رہتی۔ سچ تو یہ تھا چائے پینے لائق ہی نہ ہوتی کبھی چینی بہت زیادہ کبھی بے... کم' یہی حال پتی کا ہوتا تھا تنگ آ کر امی نے اس سے یہ اکلوتی ذمے داری بھی واپس لے لی حالانکہ ابو اس کے ہاتھ کی بنی چائے خوب مزے سے چسکیاں لے لے کر پیتے تھے۔

''آہستہ آہستہ سیکھ جائے گی۔'' وہ پیار سے کہتے مگر اس آہستہ آہستہ سیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ وہ ابو کی دوست کے گھر اس کے کزن مزیب آفندی کو اتنی پسند آئی کہ وہ جھٹ رشتہ لے کر پہنچ گیا۔ جس پر امی نہال نہیں متذبذب بھی تھیں۔

''اس کو تو انڈا تک ابالنا نہیں آتا' آگے جا کے شرمندہ نہ کروائے۔'' ابو تو سرے سے رشتہ قبول کرنے کے ہی حق میں نہیں تھے۔

''ابھی بہت چھوٹی ہے...... ابھی نہیں۔''

لیکن یہ ''ابھی نہیں'' شاید اوپر نہیں لکھی تھی' تقدیر بنانے والے نے اس کا رشتہ مزیب کے ساتھ اور وہ بھی اتنی جلدی لکھ دیا تھا کہ امی کا تذبذب تو ابو کا انکار سب دھرے کے دھرے رہ گئے اور مزیب آفندی جیسا ہیرا سب کو اتنا پسند آیا کہ آناً فاناً شادی بھی ہو گئی۔ دوسری لڑکیوں کے برعکس اس نے اپنی شادی خوب خوب انجوائے کی۔ ڈھولکی بجا کر نہ صرف گانے گائے بلکہ لڑکیوں کو پکڑ پکڑ کر ڈانس آئٹم بھی سکھائے تاکہ دولہا والوں کو شکست ہو۔ امی تو اس کے انداز دیکھ دیکھ کر ہولتی رہیں۔

مزیب کے امی ابو کی ڈیتھ ہو چکی تھی' ایک بڑی بہن تھیں جو کہ شادی کے بعد ناروے میں مقیم تھیں اور اب اس کی شادی پر شرکت کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ مزیب خود بزنس کرتا تھا۔ گھر میں ساس' نندوں کی غیر موجودگی شاید پہلی مرتبہ کسی لڑکی کی ماں کو پریشان کر رہی تھی۔

''اگر جو ساس' نندیں ہوتیں تو اس کے لیے آسانی رہتی' سر پر کھڑے ہو کر کام کرواتیں۔ مزیب کو یہ کھلا پلا کہاں سے سکھے گی؟'' اس کے شان دار طریقے سے رخصت ہونے تک امی انہی فکروں میں گھری رہی تھیں مگر انہیں پتا نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی سوچ سمجھ کر اسے مزیب جیسا بندہ عطا کیا تھا کہ جو بے حد پیار کرنے والا شوہر ہی نہیں بلکہ ایک مہربان اور نرم خو انسان بھی تھا' دوسرے اتنی چھوٹی سی بیوی کے عشق میں غرق بھی۔

آپا کے ناروے چلے جانے کے بعد جب کچن سنبھالنے کا وقت آیا تو مزیب کسی فرشتے کا روپ دھار گیا اگرچہ وہ اس کی ہر بنائی چیز پر شوخی بھرے ریمارکس ضرور پاس کرتا۔

''اچھا...... یہ توس سنکے گئے ہیں' یہ ابلا ہوا انڈا ہے کہ پتھر؟ اوہ اچھا اچھا اسے فرائی انڈا کہتے ہیں!! آملیٹ روٹی کے بجائے سالن جیسا کیسے بن گیا؟'' اس کی آنکھیں حسب عادت لبالب بھر جاتیں' جن میں دوبارہ ہنسی بھرنے کے لیے مزیب کو آؤٹنگ کا پروگرام بنانا پڑتا۔ بہرحال کلکنگ سکھانے میں مزیب ہی اس کا استاد بنا۔ اکیلے رہنے کی وجہ سے ان کاموں سے وہ آشنا تھا سو فرائی انڈے سے لے کر روٹی سکھانے تک وہ اس کے لیے معاون ثابت ہوا۔ اگرچہ اس سیکھنے' سکھانے میں پکوان کم بنتے' شرارتیں زیادہ ہوتیں مگر پھر بھی وہ سیکھ ہی گئی۔ یوں بھی اپنے محبوب شوہر کا پیار اسے سب کام کرنے کے لیے مہمیز ثابت ہوا' پتا بھی نہ چلا اور وہ قابل برداشت گرہستن بھی بن گئی۔

☆☆☆

صفائی بھی ہو گئی تھی...... اور روز کے کپڑے بھی سرف میں بھگو کر دھو لیے تھے گھر تو اچھا خاصا لشکارے مارنے لگا تھا مگر اس کی حالت بری ہو گئی تھی۔ دل تو کر رہا تھا فوراً واش روم میں گھس جائے لیکن ابھی امتحان اور بھی باقی تھا۔ سو ہر خیال' تھکن کو پس پشت ڈالے وہ پھرتی سے پیاز' لہسن چھیلنے لگی کہ عبداللہ کے آنے سے پہلے وہ تمام کاموں سے فارغ ہو جانا چاہتی تھی اور عموماً ہو بھی جاتی تھی اکثر اوقات مزیب بھی لنچ کرنے گھر ہی آ جایا کرتا تھا۔ سو جلدی جلدی ہاتھ چلاتے ہوئے اس نے چکن کڑاہی اور مکس سبزی ایک ہی ساتھ تیار کرنے کی ابتدا کی کہ سردیوں کی چھوٹی دوپہر پلک جھپکنے میں خدا حافظ کہنے لگتی تھی۔ دونوں ڈشز میں چمچے ہلانے کے ساتھ ساتھ وہ بڑے سے باؤل میں سلاد کے لیے گاجر' بند گوبھی اور دیگر آئٹم بھی باری باری کاٹتی جا رہی تھی' حقیقتاً اس پر مشین کا گمان ہو رہا تھا' چھ ہاتھوں والی مشین ان تمام اشیا کی تیاری کے بعد اس نے عبداللہ کے لیے چاکلیٹ کھلی سویاں بھی بنائی تھیں یعنی کام...... کام اور صرف کام......

نئی نئی شادی ہوئی تھی تو کچھ مزیب کی قربت کا جادو آ گیں اثر تھا کچھ اپنی دھاک بٹھانے کا شوق بھی......

میکے میں کبھی جھاڑو' ڈسٹر نہ اٹھانے والی یہاں مہینے بعد ہی گھر چمکانے میں لگ گئی۔ اس کی آمد سے قبل یہ کام مزیب کے آفس میں کام کرنے والے ایک نوعمر غریب سے لڑکے کے ذمے تھا وہ آتا اور گھر کی صفائی کر جاتا' کچھ مزیب خود بھی نفیس طبیعت کا حامل تھا بغیر پھیلاوا کیے قرینے سے رہ رہا تھا اور اس کا یہی قرینہ مالا کو بھی نظر آ گیا تبھی تو وہ ناپسندیدہ کام میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گئی۔ یوں تو وہ خود بھی نفاست اور قرینے سے رہنے کی قائل تھی بے شک وہ میکے میں کام کی نہ کاج کی دشمن اناج کی مشہور تھی لیکن امی' مزنہ اور رملہ کی وجہ سے اسے صفائی سے بے انتہا محبت ضرور تھی' اپنا آئینے کی طرح چمکتا گھر طبیعت پر خوشگوار اثر ڈالتا تھا اور ویسے بھی آس پاس یہ بات لطیفے کی حد تک مشہور تھی کہ ''ان کے گھر جایا جائے تو مزنہ اور رملہ جھاڑن تھامے ہی ملتی ہیں ہمیشہ۔''

اس سے کسی کو انکار نہیں تھا' ادھر فرش خراب ہوا ادھر مزنہ کپڑا لیے حاضر۔

اور اب...... وہ خود ایسی ہو گئی تھی کبھی صفائی کرنے کے قریب نہ پھٹکنے والی ایسی جھاڑو لگاتی کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتیں' کونا کھدرا بھی چمک اٹھتا' بھاری بھاری سامان بہ آسانی گھسیٹ کر اس کے نیچے سے بھی صفائی کرتی۔

عریب کا متاثر ہونا لازمی تھا اور اب تو یہ صورتِ حال تھی کہ شادی کے سات سال گزر جانے کے بعد وہ آئینے کی طرح چمکتا گھر دیکھنے کا عادی ہو گیا۔ کبھی جو مالا بیمار پڑ جاتی تو میکے گھر سے عریب ہی نہیں خود وہ بھی بیزار ہو جاتی اور بیماری میں بھی صفائی کرنے اٹھ جاتی ...... لیکن اب آہستہ آہستہ طبیعت اوبنے لگی تھی۔ روز کے لگے بندھے کام بور کرنے لگے تھے اور اس کی شدت سے خواہش جوان ہوتی جا رہی تھی کہ کھانا پکانے کے لیے نہ سہی جھاڑ پونچھ کے لیے ایک ماسی اشد ضروری ہے ......اور وہ اٹھتے بیٹھتے عریب سے "ایک ملازمہ کا سوال ہے بابا" کہہ کر اس کا سر کھانے لگی تھی۔

دونوں ڈشز آخری مراحل میں تھیں جب کال بیل کی آواز نے کام اور خیالات دونوں میں ہلچل مچا دی۔

"او...... یہ کون آ گیا؟" بڑبڑاتے ہوئے اس نے آنچ کم کی اور گیٹ پر جا کر ترش سی آواز میں "کون ہے؟" پوچھا۔

"توبہ ہے' ایسے پوچھ رہی ہو جیسے پھاڑ کھاؤ گی' دروازہ کھولو ہم آئے ہیں۔" شاہانہ انداز میں تعارف کرایا گیا جسے سن کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ بے اسامنہ بنا کر گیٹ کھولا تو بنی سنوری غزل سامنے تھی۔

"ذرا پیار سے پوچھا کرو' اتنے کڑوے لہجے پر تو آنے والا واپس چلا جائے گا۔" اندر داخل ہونے تک وہ چہکتی رہی۔ پورچ چھوٹا سا لان اور پھر برآمدے سے ہیل والی سینڈل سے ٹک ٹک کرتی وہ اک ادائے بے نیازی سے لاؤنج میں آ گئی۔ مالا نے یہ چند قدم اس کے پیچھے نہایت سستی سے اٹھائے تھے۔

"اسلام میں ہے کہ دروازے پر آنے والے غیر محرم سے عورت ترش اور تیز لہجے میں بات کرے' پیار سے نہیں اور مجھے نہیں پتا تھا کہ گیٹ پر آپ محترمہ ہیں ورنہ پھولوں کے ہار سے استقبال کرتی ...... مصیبت نہ ہو تو روز چلی آتی ہو اپنے گھر میں سکون نہیں تمہیں۔" اس نے لاؤنج میں چھوڑ کر وہ بھڑاس نکالتی کچن میں آ گئی۔ بنی سنوری غزل آنکھوں میں کھب رہی تھی اور خود وہ ایسی لگ رہی تھی کہ کوئی انجان دیکھ لیتا تو غزل کو اس گھر کی مالکہ اور اسے ملازمہ سمجھ لیتا۔ دل جمعی سے دیے والے جھاڑو کی وجہ سے کپڑے اپنی اصل رنگت کھو رہے تھے' اوپر سے گیلے بھی ...... غزل خوب سا پرس وہیں صوفے پر پھینک کر خود اس کے پیچھے آئی۔ کھلکھلاتی ہوئی ......

"کیا پک رہا ہے؟" سلاد کا باؤل گود میں رکھ کر مٹھی بھر بھر کر کھانے لگی۔

"تمہارا بھیجا!" اس کا جلا بھنا انداز غزل نے خوب انجوائے کیا۔

"پکاؤ پکاؤ...... تمہارے پاس اس کی قلت ہے پکا ہوا کھا کر اپنی کھوپڑی بھر لینا۔"

"بکری کہیں کی میری سلاد واپس رکھو...... مجھ میں ہمت نہیں دوسری بار بنانے کی۔" جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے باؤل لیا اور اس کی پہنچ سے دور رکھ کر چوپا کرنے لگی۔

"لوگ اپنی جگری سہیلیوں کو منہ کا نوالہ کھلا دیتے ہیں اور تم......" غزل نے مصنوعی تاسف کرتے ہوئے بوتھا لٹکا لیا' مالا بدستور آنکھیں ماتھے پر رکھے رہی۔

"یہ گاجر' مولیاں سب رکھی ہیں بناؤ اور کھاؤ۔ آنے والے اپنی قدر کھو دیتے ہیں' گھر میں رہنا سیکھو۔"

"ہائے بے چاری......" غزل نے دھلی ہوئی گاجر ایسے ہی کھانا شروع کر دی' اسی دوران میں مالا نے سویوں کے لیے دودھ چولہے پر چڑھا دیا تھا' تھوڑا سا دودھ کپ میں ڈال کر اس میں پاؤڈر چاکلیٹ مکس کرنے لگی۔

"کیا کروں میری جان......" گاجر ختم کرتے ہی غزل نے فریج کھول لیا' ساتھ ہی زبان بھی چل رہی تھی۔

"یہ ٹائم گھر میں فارغ ہی فارغ ہوتا ہے ماسی وقت پر جھاڑ پونچھ' برتن اور کپڑے وغیرہ دھو جاتی ہے میں دوپہر کا کھانا دس بجے ہی پکانا شروع کر دیتی ہوں ایک ڈیڑھ گھنٹے تک فارغ ہو کر اپنی "جھاڑ پونچھ" کرتی ہوں اور پھر آوارگی......" "آوارگی" غزل نے منی بیگم کی طرح سُر میں کہا۔ مالا حسرت بھری نظروں سے اس کا

سنوارا چہرہ دیکھتی رہی۔
”تمہاری طرح نہیں.....صبح شام جھاڑو ہاتھ میں لیے رگڑتے رہو‘ گھر چمک جائے‘ گھر کی مالکن کا کباڑا ہو جائے۔“ پیپسی کا خالی ٹن ڈسٹ بن میں پھینکنے کے بعد اس نے خاصی نزاکت سے ہونٹوں کے کنارے صاف کیے اور یہ جملہ کہہ کر تو اس نے مالا کی دکھتی رگ پکڑلی تھی جیسے سویاں بھونتے بھونتے وہ نئے سرے سے اداسی میں گھر گئی۔
”میری جان خود کو تائم دو‘ نہیں تو ضائع ہو جاؤ گی اور غریب بھائی کہیں اور جھانکی مارنا شروع کر دیں گے۔“ اب کی بار غزل نے سچ مچ ڈرا دیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔
”مانا کہ تمہیں مار خان حسن کی مالک ہو‘ کم عمر ہو لیکن .....جس طرح سے تم نے اپنی روٹین بنائی ہوئی ہے اس سے تو لگتا ہے بس حسن کی چاندنی ڈھلنے ہی والی ہے...... ذرا ہاتھ دیکھواپنے۔“ یہ کہہ کر غزل نے کسی ماہر آرائش حسن کی طرح اس کے لمبی نازک انگلیوں والے ہاتھ جانچنا شروع کر دیے ”ایمان سے میری ماسی کے ہاتھ بھی ان سے خوبصورت ہیں۔“ غزل کے لہجے میں شرارت تھی۔
”دفع ہو جاؤ۔“ وہی ہاتھ مالا نے اس کی کمر پر جڑ دیا‘ اس کے اچھے خاصے خوبصورت ہاتھوں کی یہ وقعت کہ انہیں ماسی کے ہاتھوں سے بھی کم درجہ دیا جائے‘ غزل کو گاڑھی گالیاں سنانے کے بعد اس نے کھولتے دودھ میں پہلے چاکلیٹ ملا دودھ ڈالا اور پھر بھنی سویاں......
”اس سے زیادہ بک بک کی ناں تو تمہیں چولھے میں جھونک دوں گی‘ غضب خدا کا روز آجاتی ہو تیر مارنے۔“ آنچ ہلکی کر کے وہ چبا چبا کر بولی تھی۔ غزل کی ڈھیٹ مسکراہٹ جوں کی توں قائم رہی۔
”آخری زمانہ ہے لوگو..... ہمدردوں کو چولھے میں جھونکا جا رہا ہے۔“
”تم ہمدرد نہیں‘ میری دشمن ہو۔“
”میری شکل اور میلے کپڑوں سے جیلس ہو رہی ہو تم۔“ غزل نے بات ہی ایسی کی کہ اس کے دماغ سے دھواں نکلنے لگا‘ ہاتھ میں پکڑی کفگیر لہرا کر وہ اس پہ حملہ کرنے کے لیے لپکی۔ وہ قلانچیں بھرتی کچن سے باہر چلی گئی اور کھی کھی کرتی ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔
سویاں تھوڑی سی گاڑھی ہوئیں تو وہ چولھا بند کر کے انہیں ڈونگے میں نکال کے.....یوں ہی ٹھنڈا ہونے کے لیے ٹیبل پر رکھنے کے بعد لاؤنج میں آگئی‘ غزل پوری طرح سے ”اسٹار پلس“ میں گم تھی وہ چپکے سے اس کے قریب بیٹھ گئی۔
”غزل.....تم اپنی ماسی سے کہو ناں میرے گھر بھی آجایا کرے‘ منہ مانگی تنخواہ دوں گی۔“ غزل نے ٹی وی آف کر کے حیرت سے اسے دیکھا۔
”واہ جی.....سورج مغرب سے نکل ہی آیا۔“ چہک کر جملہ اچھالا ”کہہ تو دوں لیکن منہ مانگی تنخواہ پر بھی وہ نہیں ماننے کی اصل میں کافی گھروں میں جاتی ہے ناں.....“ یہ سن کر اس کا منہ لٹک گیا۔
”امی سے کہا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ جب مجھے ماسی رکھنے کی خواہش ہوئی تو ماسیوں کا ہی کال پڑ گیا۔“ روٹھی ہو کر وہ صوفے کی بیک سے لگ کر نیم دراز ہو گئی۔
”کال تو نہیں پڑا‘ نخریلی ہو گئی ہیں اور ایک بات تمہیں بتا دوں جس طرح سے تمہیں صفائی کا خبط ہے ناں تو ایسی صفائی کرنے والی ماسیاں واقعی کہیں نہیں ہیں‘ پرائے گھر کی صفائی پر اپنا گھر سمجھ کر ہی کرتی ہیں‘ یوں جھاڑو پھیرتی ہیں جیسے ہوائیں لگا رہی ہوں......اور جان چھڑائی‘ یار ہم تو عادی ہیں کہ ہم خود بھی نام کی ہی صفائی کرتے ہیں‘ ماسیوں کو کیا ٹوکیں ہاں‘ تم ضرور تنگ آجاؤ گی۔“ غزل نے ماسیوں کا نقشہ بالکل درست کھینچا تھا۔
اس کے میکے والی ماسی بھی تو ایسی تھی‘ یہ تو رملہ تھی جو سر پر کھڑی ہو جاتی تھی‘ مزنہ کی شادی کے بعد یہ ذمے داری رملہ نے سنبھال لی تھی۔
”کچھ بھی ہو‘ میں نے ماسی رکھنی ہی رکھنی ہے۔“ اس نے تہیہ کر لیا تھا‘ معاً گیٹ پر مخصوص ہارن کی آواز آئی۔ غزل پرس تھامے فوراً کھڑی ہو گئی۔

"اندر تو بلاؤ رضوان بھائی کو۔" اس نے ٹوک کر کہا اور جلدی جلدی چھوٹے ٹفن میں سویاں بھرنے لگی۔

"اندر شندر نہیں آتے' رابیل کو لینے جانا ہے اسکول اور پھر ان محترم نے واپس ایجنسی بھی جانا ہے۔" مالا نے ٹفن اسے تھمایا۔

"گھر جا کر فریز کر لینا۔"

"پتا ہے۔" غزل نے ہنس کر کہا" اور جب ماسی رکھ لو تو یوں بن ٹھن کے تم میرے گھر آیا کرنا..... ابھی تو مجال ہے گھر سے قدم باہر نکال لو۔" اسے گیٹ تک سی آف کر کے وہ واپس اندر آ گئی' صوفے پر بیٹھ کر اس نے بغور ہاتھوں کا معائنہ کیا اچھے خاصے تھے..... لیکن آج اسے نہ جانے کیوں غزل کی ماسی جیسے لگ رہے تھے' حالانکہ اپنے تئیں اس نے کبھی ان کی طرف سے غفلت نہیں برتی تھی۔ گلاب کا عرق' گلیسرین اور لیموں ملا مکسچر ہمیشہ اس کے کچن میں موجود رہتا۔ برتن' کپڑے وغیرہ دھونے کے بعد وہ اس لوشن کو ہاتھوں پہ لگانا کبھی نہیں بھولتی تھی لیکن غزل کے کمنٹس نے ہاتھوں کی خوبصورتی آنکھ اوجھل کر دی تھی۔

"سارا قصور مریب کا ہے۔" اچانک ہی ماتھے پر بل ڈال کر وہ بڑبڑائی۔ اچھے بھلے سارے کپڑے واشنگ مشین میں دھلتے تھے جب ایک دن مریب نے کہا۔

"میرے کاٹن کے کپڑے نہ تو لانڈری میں دیا کرو نہ ہی مشین میں دھویا کرو' ہاتھ سے دھویا کرو یار...... مشین میں کالر تباہ ہو جاتے ہیں۔" اور وہ میاں کی محبت میں گوڈے گوڈے غرق سات سالوں سے اس کے کاٹن کے کپڑے گھر پر سرف میں بھگو کر دھوتی آ رہی تھی۔

"غزل ٹھیک کہہ رہی تھی' اسی وجہ سے تو میرے ہاتھوں کی اسکن چمکدار نہیں رہی' بس اب کچھ بھی ہو جائے ماسی میں نے ضرور رکھنی ہے۔" ہاتھوں کی بدصورتی اتنی دماغ پر حاوی ہوئی کہ ہمیشہ کی طرح وہ اس عزم شادر لیتی تھی وہ بھی لینے کو دل نہ چاہا۔ یوں ہی میلی کچیلی صوفے میں دھنسی رہی' جب تک کہ عبداللہ نہ آ گیا۔

چھٹی کے ٹائم اسے اکثر بڑے ماموں یعنی مالا کے بڑے بھائی اسکول سے لے آتے تھے۔ وہ کالج میں پروفیسر تھے اور کالج اسکول کے نزدیک ہی تھا۔ عبداللہ کو چینج کرانے کے بعد کھانا کھلایا اور پھر ادھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں کرنے کے بعد تین بجے تک اسے سلا دیا۔ خود دوبارہ سے ماسی کیسے اور کہاں سے ڈھونڈوں جیسے اہم موضوع پر ذہن تھکانے بیٹھ گئی۔ اس کے آس پاس کے گھروں میں جو ماسیاں کام کرتی تھیں یا تو ان کے مالکوں نے یا انہوں نے خود ہری جھنڈی دکھا دی تھی۔

ایسے میں اس نے مریب کا ہی سر نہیں کھایا تھا بلکہ دونوں بھائیوں سے بھی کہہ رکھا تھا کہ ماسی چاہیے حالانکہ امی نے تو کہا تھا کہ وہ اس تردد میں ہی نہ پڑے۔ چھوٹا سا گھر تھا اس کا اور گھر کے فرد بھی کون سا درجن بھر تھے کہ اس کے کاموں کی تعداد ناقابل برداشت ہوتی۔ اس لیے وہ تو ماسی رکھنے کا سوچے بھی ناں لیکن وہ جب ضد پر آ جاتی تو پوری کر کے دم لیتی اور مریب اسی بات سے بدکتا تھا کہ کسی چیز کا خناس اس کے دماغ میں بیٹھے ہی ناں...... پھر وہ دنیا ہلا دیتی تھی اور ماسی رکھنے کا خناس بھی تبھی نکلتا تھا جب تک ماسی رکھ نہ لیتی۔

ابھی بھی ذہن میں یہی ایک بات سوچتے سوچتے وہ نہ جانے کب اونگھنے لگی خبر ہی نہ ہوئی۔

ساڑھے پانچ بجے کے قریب اچانک ہی آنکھ کھلی تو پتا چلا نہ صرف سرتاج آ چکے ہیں بلکہ کافی بنانے کے چکروں میں ہیں۔ وہ ایک دم سے اٹھ کر کچن میں آ گئی۔

"آپ آ گئے؟"

"میرا خیال ہے' آ ہی گیا ہوں تمہیں کیا لگ رہا ہے؟" سوٹ چینج کیے وہ براؤن شلوار سوٹ میں فریش فریش بولا۔ مالا کی جمائیاں ہی نہیں رک رہی تھیں۔

"جائیے آپ باہر...... میں بناتی ہوں۔"

"بالکل نہیں حلیہ ٹھیک کرو اپنا منہ ہاتھ دھوؤ' قسم سے میں نے تو پہچانا ہی نہیں آج بالکل بکھو مائی لگ رہی ہو۔" وہ جب بھی غلیظ حلیے میں ہوتی' مریب اسے بکھو مائی ہی کہتا تھا۔ محلے کی مشہور و معروف ماسی' اس وقت بھی کہا تو ہونٹوں کے زاویے بگاڑ کر رہ گئی۔

"سارا دن گھر میں اپنا آپ جھونک کر دیکھیں تو جناب کو معلوم پڑے کہ شکل کیسی بن جاتی ہے......!" خاصے سخت لہجے میں کہہ کر وہ کچن چھوڑ گئی۔ مریب نے کافی حیرت سے اس کے کٹیلے تاثرات دیکھے تھے۔ کافی بن گئی تو دو مگوں میں انڈیل کر وہ باہر لان میں آ گیا۔ گو سردی بہت زیادہ ہو رہی تھی لیکن اس ٹائم دونوں یہیں بیٹھ کر چائے' کافی انجوائے کرتے تھے۔ خصوصاً مالا کو بہت مزہ آتا تھا اور یہاں اس ٹائم بیٹھنے کی عادت بھی اسی نے ڈالی تھی مریب کو' پہلے پہل جب وہ سردیوں میں چائے پینے کے لیے یہاں بیٹھنے کی ضد کرتی تو مریب کئی کئی بہانے بنا کر جان چھڑانے کی کوشش کیا کرتا۔

"یار سردی بہت ہے' جم جائیں گے۔"

"کوئی نہیں...... یہ بھی کوئی سردی ہے' سردی تو وہ ہوتی ہے جب بندہ سویٹر پہن کر بھی کپکپائے۔ یہ تو سردی کے نام پر شرمندگی ہے۔" اور اس شرمندگی نما سردی میں بیٹھنے کی عادت مریب کو پڑ ہی گئی۔ ابھی بھی دو منٹ نہیں ہوئے ہوں گے کہ وہ منہ ہاتھ دھوئے آتی نظر آئی' کپڑے وہی تھے۔

"نہائی نہیں تم؟" اس کے بیٹھتے ہی مریب نے گھرک کر پوچھا' وہ ہنوز منہ بگاڑے رہی۔

"عبداللہ جاگ جائے گا تو وہ بھی پہچاننے سے انکار کر دے گا۔" مریب نے ایک اور ڈراوا دیا۔ وہ بھنا ہی تو گئی۔

"اس کی محبت آپ کے جیسی نہیں ہے' گھڑی گھڑی رنگ بدلنے والی" مریب خوبصورت سی مسکراہٹ سجائے اس کا تنا ہوا چہرہ دیکھتا رہا' ناک حسب معمول سرخ ہو رہی تھی اور دودھیا گال بھی گلابیاں چھلکا کر اس کا دل بے ایمان کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

"مریب...... پتا ہے۔" کافی کا مگ خالی کر کے وہ خفگی بھول بھال کر کچھ افسردگی سے بولی۔

"آج غزل آئی تھی۔"

"یہ کون سی نئی بات ہے' وہ کس دن نہیں آتی؟"

"لیکن آج وہ میرا دماغ گھما گئی ہے۔" مریب نے خود کو بہ مشکل کہنے سے روکا" وہ تو پہلے کا گھوما ہوا ہے۔" "لیکن خیریت چاہتا تھا سو چپ چاپ اس کی اگلی بات کا منتظر رہا۔

"میرے ہاتھ دیکھیں ذرا......" اپنے نازک سے ہاتھ شال میں سے نکال کر اس نے اچانک ہی مریب کے سامنے کر دیے۔ جس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ نرمی سے تھام لیے تھے۔

"غزل منحوس کہہ گئی ہے اس کی ماسی کے ہاتھ میرے ہاتھوں سے پیارے ہیں' یعنی میرے ہاتھ کام کر کر کے اتنے بھدے ہو گئے ہیں۔" افسردگی کا یہ عالم تھا کہ آنکھیں تک نم ہو گئی تھیں۔ مریب نے ہونٹ بھینچ کر اپنی عود آتی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا اور اس کے دونوں ہاتھ آگے پیچھے سے بغور دیکھنے لگا کہ جن کے ناخن نفاست سے ترشے ہوئے تھے عام گھریلو عورتوں کی طرح کٹے پھٹے نہیں تھے۔

"یار بیوی......" گلا کھنکھار کر مریب نے اس کی دل جوئی کے الفاظ ترتیب دیے" غزل اگر کبھی خود کو خوبصورت بنانے کے لیے سر کے بل کھڑی ہو جاؤ تو تم یقیناً وہ بھی کر لو گی میری بھولی بیوی...... غزل جلتی ہے تم سے اس وجہ سے کہ گھر کے سب کام کرنے کے باوجود بھی تمہارے ہاتھ اتنے پیارے کیوں ہیں اور اس کے کام نہ کرنے کے باوجود بھی اتنے بھدے...... کیسے نکے سے ہیں اس کے ہاتھ' کبھی غور کیا تم نے چوڑی شیپ کی انگلیاں اور ناخن بھی چوڑے جیسے مردوں کے ہوتے ہیں۔" اپنی دھن میں اس کی دل جوئی کرتا مریب یہ یکسر بھول گیا کہ اس کے آخری جملوں پہ مالا کے چہرے پر ایک بار پھر جلالی تاثرات سمٹ آئے تھے۔

"مریب آپ...... آپ۔" اپنے ہاتھ چھڑا کر مارے غصے کے وہ ہکلا گئی۔

"آپ...... غزل کے ہاتھ اتنے غور سے دیکھتے ہیں' اس کے ناخن' انگلیاں تک آپ کو یاد ہیں اگر وہ خوبصورت ہوتے تو پھر آپ کتنی غور سے دیکھتے۔" مریب کی جان عذاب میں آ گئی باتوں میں انگلیاں پھنسا

رہا تھا۔ مالا بس اب کہ تب حسبِ سابق رونے ہی والی تھی اور مزیب تھا کہ پچھتاوؤں سے لپٹا جا رہا تھا۔

"یار...... وہ بات کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اتنے ہلاتی ہے کہ بندے کی نگاہ اس کے ہاتھوں کے علاوہ کہیں اور جاتی ہی نہیں تم شرم کرو ذرا...... مجھ جیسے شریف' فرمانبردار شوہر پر شک کر رہی ہو۔ اگر میں غزل کے ہاتھوں کے بجائے اس کا سولہ سنگھار کیا چہرہ دیکھتا تو پھر......؟ میری رگ رگ سے واقف ہونے کے باوجود بھی تم نے ایسا کیوں کہا؟ دنیا کی سب سے پیاری لڑکی بطور بیوی اللہ نے مجھے عطا کی ہوئی ہے اور میں اس سے نظریں چرا کر باہر منہ ماری کروں گا...... بے وقوف۔" مزیب نے نہایت نرمی سے اس کے آنسو پونچھ کر حسبِ ڈیوٹی موڈ بحال کیا تھا۔

"اچھا چھوڑیں اس بات کو...... آپ مجھے ملازمہ رکھوا دیں گے یا نہیں......؟"

"یار کہہ تو رکھا ہے ہر کسی سے اب تم کہو تو اخبار میں اشتہار دے دوں؟" شکر تھا کہ اس جملے پر وہ تیکھی نہیں بنی تھی ورنہ تو موڈ آف کرنے کے لیے بہانہ درکار ہوتا تھا۔

عبداللہ کے جاگ جانے پہ دونوں اٹھ کر اندر آ گئے تھے۔

☆☆☆

اور اب تو یوں لگتا تھا جیسے دن عید تو راتیں شب برات ہو گئی ہوں۔ رانو کی آمد کیا ہوئی مالا صاحبہ دنوں میں ہی کچھ زیادہ نکھر گئیں۔ اپنے آپ سے جتنا پیار رانو کے آنے کے بعد ہوا شاید ہی پہلے کبھی ہوا ہو۔ بڑی بھابی کی کسی سہیلی کے توسط سے رانو اس کے گھر میں بطور ملازمہ اپائنٹمنٹ کیا ہوئی زندگی ہی سنور گئی۔ تیس' بتیس کے لگ بھگ جی بھر کے کالی' موٹے موٹے نقوش کی حامل بات بے بات قہقہہ مارنے میں مشہور رانو جس روز آئی ای' رملہ' حزنہ اور بھابیوں نے فون کھڑکا کر مبارک باد دی اور غزل دوڑی دوڑی چلی آئی اور آتے ہی رانو کو دیکھ کر ٹھٹک بھی گئی۔

"ارے یہ...... یہ نوکرانی ہے تمہاری؟"

"ہاں جی۔" اس روز مالا کی باچھیں اتنی پھیلی رہیں مارے خوشی کے کہ دوبارہ صحیح ہیئت پر آنا ہی بھول گئیں۔ "تمہیں کیا لگ رہی ہے؟"

"ایتھوپیا سے امپورٹ کی ہے کیا؟" غزل کا تمسخرانہ تھا' مالا نے چپ کرا سے گھورا۔

"ایتھوپیا سے چاہے صومالیہ سے' تمہیں کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔"

"مجھے تو خوشی ہو رہی ہے' میری ماسی کے مقابلے میں تو تمہاری جمعدارنی لگتی ہے' بھئی میں تو اس بات کی بہت زیادہ قائل ہوں کہ گھر کی نوکرانی کو قابلِ برداشت شکل کا ہونا چاہیے...... گھر آئے مہمانوں پر مالکوں کا اچھا اثر پڑتا ہے اور تمہاری نوکرانی کو دیکھ کر طبیعت خراب ہو گئی ہے۔"

"نوکرانیوں کو قابلِ برداشت شکل کا ہونا چاہیے۔" مالا نے بالکل اس کی طرح ہونٹ بگاڑ بگاڑ کر نقل اتاری۔ "پھر شوہروں سے بھی ہاتھ دھو لینا چاہیے' ہے نا ں...... اور آج کے بعد میری نوکرانی پر ایسے ریمارک پاس کرنے کی جرأت مت کرنا۔ جیسی بھی ہے مجھے گوارا ہے' میں نے اس سے گھر کا کام کروانا ہے ماڈلنگ نہیں اور اگر اس کو دیکھ کر تمہاری طبیعت خراب ہو گئی ہے تو اس سے بڑی خوشخبری کوئی نہیں' پھر تم میرے گھر آنا چھوڑ دو گی۔" مسکرا کر اس نے غزل کو خون کے گھونٹ پینے پر مجبور کیا۔ غزل کڑے تیور لیے رخصت ہوئی تھی۔

جس روز رانو کی سواری بادِ بہاری آئی' مزیب نے اس کا کھلکھلاتا چہرہ دیکھ کر ازراہِ شرارت کہا۔

"شام میں گرینڈ پارٹی نہ رکھ لیں' جس کو نہیں پتا اس کو بھی پتا چل جائے گا کہ مسز مالا مزیب آفندی ایک عدد ملازمہ کی مالک ہو گئی ہیں۔"

"مذاق اڑائیے اور زیادہ اڑائیے لیکن آج میں اپنا موڈ خراب نہیں کروں گی کیونکہ میں واقعی بہت خوش ہوں۔" اس نے فراخدلانہ انداز اختیار کیا۔ مزیب نے خواہ مخواہ بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی تھی۔

بہرحال پہلے روز رانو صاحبہ صرف انٹروڈکشن لینے اور دینے آئی' باضابطہ آمد دوسرے دن تھی اور یہ دوسرا دن مالا کی زندگی کا بے تحاشا خوبصورت دن تھا۔

رانو...... بہت پھرتیلی نکلی جن کاموں میں مالا کے کئی گھنٹے خرچ ہو جاتے تھے وہی کام رانو نے افسانوی ہیروئن کے مانند جھٹ پٹ ساڑھے دس بجے تک کر لیے۔ صرف پونچھا لگانا باقی تھا۔ رانو کا اس چھوٹی سی مالکن کے گھر پہلا آزمائشی دن تھا۔ سو اس نے جھاڑ پونچھ کرنے میں جان ایک کر دی' یہی نہیں جس رفتار سے اس کے ہاتھ چلے اسی رفتار سے زبان بھی۔ ان چند گھڑیوں میں اس نے مالا کو اپنا مکمل بائیوڈیٹا ہی نہیں بلکہ جن دو تین گھروں میں کام کرتی تھی ان کی بھی ہسٹری کھول کر بتا دی۔ چونکہ پہلا دن تھا سو مالا نے مروتاً بھی نہ ٹوکا کہ "بہن...... باتیں کم بگھارو' تمہارے بولنے سے خلجان ہو رہا ہے۔" بلکہ اخلاقاً مسکراہٹ سجائے رہی۔

رانو نے جب تک پونچھا لگایا...... اس نے اپنے چہرے کی کلینزنگ' اسکربنگ کر ڈالی۔ فارغ جو بیٹھی تھی۔ رانو کے جانے کے بعد اس نے لمبی تان لی کہ آج کھانا پکانے کا جھنجھٹ بھی نہیں تھا۔ بڑے بھیا نے عبداللہ کو اسکول سے اپنے گھر لے جانا تھا' آج ان کے بچے قریبی تفریحی اسپاٹ پر سیر کی غرض سے جا رہے تھے اور ایسے موقع پر عبداللہ ضرور ساتھ ہوتا تھا۔ مزیب نے بھی لنچ کرنے نہیں آنا تھا سو وہ اکیلی کچھ بھی کھا کر گزارہ کر سکتی تھی بجائے چولہے کے آگے کھڑے ہو کر تازی تازی اسکربنگ کے آثار مٹانے کے سو لمبی تان کر سو گئی۔

☆☆☆

شام پانچ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تھی' لمبی لمبی جمائیاں لیتے ہوئے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی' حیرت انگیز طور پر اپنا آپ نیا نویلا سا محسوس ہوا تھا کوئی بات ہے......

عبداللہ اور مزیب کے آنے سے قبل وہ تازہ دم ہی نہیں بلکہ یوں نک سک سے تیار ہو گئی تھی گویا کہیں جانا ہو' سات بجے کے قریب ڈور بیل بجی وہ نئے احساسات میں گھری گیٹ کی طرف لپکی تھی' مسکراہٹ سجا کر گیٹ کھولا سامنے ہی مزیب اور عبداللہ موجود تھے۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی مزیب کے ہونٹ واؤ کہنے کے انداز میں سکڑ گئے۔

"آ گیا میرا جانی!" جھپٹ کر عبداللہ کو اٹھا لیا جو اسے دیکھ کر خوشگوار حیرت میں گھرا ہوا تھا۔

"کیسی رہی سیر...... مزہ آیا تھا؟" وہ اسے اٹھائے اٹھائے اندر لے آئی۔ پیچھے مزیب بھی معنی خیز نظریں وارتا آ گیا۔

"اور گاڑی کہاں گئی...... پیدل آئے آپ دونوں کیا؟"

"نو مام...... ٹیکسی پر...... گاڑی نانو کے گھر' نانو نے ڈاکٹر کے پاس جانا تھا نا ں...... ماموں کی گاڑی واپس آتے ہوئے خراب ہو گئی تھی۔" عبداللہ سے تفصیل سن کر وہ سیدھی کھڑی ہوئی۔

"اور میرے بیٹے نے کھانا کھانا ہے کیا؟"

"نہیں' بالکل نہیں اتنا کھایا اتنا کھایا' پورا پیٹ بھر گیا۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ مزیب نے گہری نظریں اس کے چہرے پر جمائے رکھیں۔ نظروں کا مفہوم اور وارفتگی جان کر وہ ابھی خاصی گھبراہٹ میں مبتلا ہو رہی تھی۔

"پاپا...... دیکھیے ناں ذرا ماما کتنی پیاری لگ رہی ہیں۔" ایک تو گھبراہٹ کا یہ عالم اوپر سے عبداللہ نے مزیب کا بازو ہلا ہلا کر دفورِ شوق سے کہا تو وہ مزید سمٹ گئی کہ مزیب کچھ مزید پھیل کر دیکھنے لگا تھا۔

"بالکل دلہن دلہن سی لگ رہی ہیں' ہے ناں پاپا؟" اور پاپا نے اس زور سے قہقہہ لگایا کہ وہ شرمانا درمانا بھول کر خفا سی ہو گئی۔

"بالکل صحیح جناب...... ہم انکار کر سکتے ہیں' کیا خیال ہے...... اس دلہن دلہن سی ماما کے لیے نیا دولہا نہ لے آئیں؟"

"مزیب......!" وہ چیخی تھی' مزیب نے جھٹ کان پکڑ لیے۔ "عبداللہ کے سامنے فضول ہانک رہے ہیں آپ۔"

"سوری جانم...... کیا کریں تم پیاری ہی اتنی لگ رہی ہو کہ ہم بے قابو ہو گئے......"

"لگ رہی ہو کیا مطلب میں ہوں ہی پیاری۔"

اس نے اٹھلا اٹھلا کر حریب کا رہا سہا سکون بھی غارت کیا۔ وہ ایک ٹک اس کے ناز و انداز دیکھتا رہا تھا۔

"مان لیا...... لیکن آج کا سارا کریڈٹ رانو کو جاتا ہے اب تو مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ گزشتہ سات سال ملازمہ کے بغیر کیوں گزار دیے۔ اچھا ایسا ہے کہ گاڑی آجائے پھر آؤٹنگ کے لیے باہر چلیں گے' ڈنر بھی تمہاری پسند کا۔" عبداللہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ سو فضا موافق دیکھ کر حریب نے اس کی نازک کمر کے گرد بازو پھیلا کر اسے خود سے قریب کیا تھا' جو یوں نروس ہو رہی تھی جیسے کل بیاہ کر آئی ہو۔

☆☆☆

تواتر سے بجتی کال بیل یہ بتا رہی تھی کہ آنے والا اس پر چڑھ کے بیٹھ گیا ہے سو جلد از جلد گیٹ کھول کر نہ صرف اپنی سماعتوں پر رحم کیا بلکہ اس کی بھی جان خلاصی کروائی جائے۔

پہلے پہل تو گہری نیند میں ڈوبے حریب کو کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کال بیل ہے یا صورِ اسرافیل...... اس خیال سے کہ کہیں روزِ محشر تو نہیں آ گیا اس کی آنکھیں بیٹ سے وا ہوئی تھیں۔ چند لمحے کال بیل اور صورِ اسرافیل میں فرق سمجھتے کٹ گئے پھر جب ہتھوڑے سے سر پر بجنے لگے تب اندازہ ہوا کہ کسی پر آفت آ گئی ہے۔

"یہ اتنی صبح صبح کون آ گیا میری نیند کا دشمن بن کر۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے بستر چھوڑا۔ قریب سوئی مالا کی گہری نیند میں سرِ مو فرق جو آیا ہو۔ چپل اڑس کر وہ بہ مشکل گھسٹتا گیٹ تک پہنچا۔ جتنی جھنجلاہٹ سے گیٹ کھول کر اس نے سامنے نظر اٹھائی تھی' اتنی ہی محبت سے رانو نے پہلے دانتوں کی نمائش کرنے کے بعد سلام کیا تھا۔

"تم......؟" اس کی آواز نہ نکل سکی' رانو نے دانتوں کی نمائش جاری رکھی۔

"جی صاحب جی...... آپ کو یقین کیوں نہیں آ رہا' میری شکل بدل گئی ہے کیا؟" اس نے پلک مٹک کر کہا۔ حریب کڑوے گھونٹ بھرتا ایک طرف کو ہو گیا۔ اس کے اندر آنے کے بعد گیٹ بند کر کے وہ تن فن کرتا واپس بیڈروم میں گیا تھا اور آن کی آن میں ریشمی لحاف میں بے خبر لیٹی مالا کو جھنجوڑ ڈالا' وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا ہوا حریب کیا ہوا...... زلزلہ تو نہیں آیا؟"

"زلزلہ ہی آیا ہے' رانو نام کا...... جا کر دیکھو اتنی صبح صبح چوری کرنے تو نہیں آ گئی۔" حریب کہہ کر سر تک لحاف اوڑھ کر سونے کی کوششوں میں لگ گیا۔ وہ پھونک سمجھتے ہوئے واش روم میں گھس گئی تھی۔ دو چار چھپاکے مار کے بہ سرعت باہر گئی کہ جہاں رانو صاحبہ خود بھی لگتا تھا نیند سے اٹھ کر سیدھی یہاں آ گئی تھی۔ جھاڑ جھنکار بال اور غلیظ آنکھیں چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھیں وہ بری طرح سے کھول کر رہ گئی۔ ابھی بہ مشکل ساڑھے چھ ہی تو بجے تھے۔

"بنا منہ دھوئے ہی تم چلی آئیں اتنی صبح صبح آنے کا مقصد کیا ہے؟" وہ بہ مشکل غصہ دبا پائی۔

"باجی جی...... آپ کے علاوہ مجھے تین چار گھروں میں جانا پڑتا ہے' آٹھ نو بجے یہاں آؤں تو گیارہ تو یہیں بج جاتے ہیں' دوسرے گھروں میں رات ہو جاتی ہے وہ مالکنیں الگ ڈانٹتی ہیں کہ اتنی دیر کیوں لگاتی ہو۔ آپ کو میرا اتنی سویرے آنا گوارا نہیں تو جی ایک گھر کا کام کر کے آپ کے پاس گیارہ بجے آیا کروں......؟"

یہ بھی مالا کو گوارا نہیں تھا۔ گیارہ بجے تک گندے پڑے برتن اور میلا گھر کہاں برداشت ہو سکتا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے ابھی تم باقی گھر کی صفائی کرو' حریب اور عبداللہ جاگ جائیں تو ان کے کمرے آخر میں صاف کر دینا۔" لمبی جمائی لے کر اس نے ہدایات جاری کیں' رانو جی اچھا کہتی کام میں لگ گئی۔

"سنو......" رانو کے وجود اور کپڑوں سے اٹھتی ناگوار بو کے بھبھوکے پورے لاؤنج میں پھیلے ہوئے تھے۔ ناک سکوڑ کر اس نے پکارا تو برش پھیرتی رانو ہاتھ روک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم...... اس سال تو نہائی ہو گی ناں؟" بڑی لجاجت سے اس نے پوچھا تو رانو کا مردوں کو جگاتا قہقہہ حواس جھنجنا گیا۔

"یہ کیا بات ہوئی باجی جی......؟"

"بس ایسے ہی میں نے کہہ دیا' کچھ نیلی...... تمہیں دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے تم سال بھر میں صرف تین بار ہی نہائی ہو گی۔"

"او جی......" رانو کے قہقہے رکنے میں نہیں آ رہے تھے۔ مالا کو گمان گزرا اسی رفتار سے اس کے قہقہے جاری رہے تو حریب کے ہاتھوں مالا کی پٹائی آج ہو کر رہے گی' یوں بھی آج کل وہ خوب طیش زدہ سا پھر رہا تھا صرف اور صرف رانو کی وجہ سے۔

"آپ بڑی مزاقی ہو باجی جی...... سردیوں میں' میں سچی مچی ایک دو بار ہی نہاتی ہوں۔" مالا صدمے میں گھر گئی سن کر...... دل تو بہت چاہا کہہ دے تمہاری بو سے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم گرمیوں میں بھی نہیں نہائی ہو لیکن پھر رانو کے دہشت ناک قہقہوں سے گھبرا کر کچن میں گھس گئی۔

جب تک اس نے لنچ باکس تیار کیا عبداللہ اور حریب کا ناشتا بنایا...... رانو صاحبہ جھاڑو دے کر فارغ بھی ہو گئیں' ابھی انہیں کچن میں آ کر رات کے پڑے برتن سنک میں دھونے تھے' پورا کچن اس کے آنے سے مہک اٹھا تھا' مالا سے وہاں ٹھہرنا دوبھر ہونے لگا۔

"رانو...... یہ برتن اٹھا کر پچھلے صحن میں بنے کھرے پر دھو آؤ' یہاں تم بچی ہوئی چیزیں بھی سنک میں پھینکتی جا رہی ہو' پائپ بند ہو گیا تو نئی مصیبت گلے پڑ جائے گی۔" چہرے کے تاثرات چھپا کر اس نے رانو کو کچن سے دور بہت دور کرنے کا سوچا کہ عبداللہ اور حریب یہیں کچن میں رکھی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کے ناشتا کرتے تھے اور دونوں نے ہی رانو سے بیر باندھ رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بھی جاگ گئے اور ابھی حریب اور عبداللہ ٹیبل پر آ کر بیٹھے ہی تھے کہ رانو ہاتھ پونچھتی آ گئی۔

"برتن دھل گئے جی۔"

"ہائیں اتنی جلدی......؟" مالا بے یقین ہوئی۔ رات غزل اپنی ساس اور نند کے ہمراہ اس کے گھر کھانے پر انوائٹڈ تھی۔ دعوت کے حساب سے برتن بھی استعمال ہوئے اور رانو ایسی چابکدست کہ روزانہ والے ٹائم پہ برتن دھو بھی آئی۔

"دوسری شفٹ تمہیں لگانی پڑے گی۔" سر جھکائے جھکائے حریب نے کہا اور سچ ہی کہا وہ اتنے خراب دھوتی تھی کہ پتیلیوں پہ دودھ' پتی یا سالن وغیرہ ضرور لگا رہتا' ایسے میں اس کی نفاست پسند طبیعت ہفتے بعد ہی جاگ اٹھی۔ پہلے پہل تو مروتاً ہی رانو کو نہ ٹوکا کہ برتن صاف نہیں دھلے ہوتے' رگڑ کے دھویا کرو اور ہاتھ مار مار کے کھنگالا کرو کہ سوکھنے پر صابن جوں کا توں سفید دھبوں کی صورت لگا رہتا ہے بلکہ خود ہی کڑھ کڑھ کر دوبارہ دھو لیتی تھی۔ آج بھی اس نے یقیناً مشینی ہاتھ مارا تھا کہ برتن سیکنڈز میں دھل بھی گئے۔

"اگلے دو دنوں تک یہ نہا کر نہ آئے تو پھر چھٹی کروا اس کی۔ ایمان سے صبح و شام گھر میں اس کی مہک محسوس ہوتی ہے گھر آنے کو دل ہی نہیں کرتا۔" آفس جانے سے قبل حریب نے تخت سے انداز میں اس سے کہا۔ وہ مسکینی سے صورت بنائے سر نیہوڑائے رہی۔ رانو کی ہر برائی اس کے گلے کا طوق بنا کر لٹکائی جانے لگی تھی۔ حریب کی دیکھا دیکھی عبداللہ بھی "ماما آپ کی نوکرانی یہ...... آپ کی نوکرانی وہ۔" کہہ کہہ کر اعتراض کرنے لگا تھا وہ مجرم سی ہر اعتراض سنے جاتی۔

ان دونوں کے آفس اور اسکول رخصت ہو جانے کے بعد رانو نے دونوں کے بیڈرومز بھی مشینی انداز میں صاف کیے اور ہاتھ پونچھتی سلام باجی کہتی اڑن چھو بھی ہو گئی۔ پیچھے اس کی شفٹ شروع ہو گئی تھی۔ برتن دوبارہ دھونے اور بیڈرومز دوبارہ صاف کرنے کی۔

☆☆☆

"چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات۔" رانو کی آمد کے ایک ہفتے بعد مالا کو اس جملے پر صدقِ صد یقین آ گیا۔ صرف جملے کی سچائی پر ہی نہیں بلکہ اس بات پر بھی کہ یہ جملہ صرف اور صرف اس کے لیے ہی شاعر صاحب کے ذہن سے وارد ہوا ہے۔

چار پانچ دن تک رانو نے اپنی اور اپنے کام کی خوب واہ واہ سمیٹی...... بعد ازاں انتہائی چپ چپاتے

قدرے توقف کیا کچھ کہتے ہوئے مروت
گر کہنا بھی ضروری تھا سو گلا کھنکھار کر
کے چہرے کو دیکھا کہ جس
کی ہوئی تھی۔ مالا

اپنی اسی جون میں لوٹ آئی کہ جو اس کا خاصہ تھی۔ مالا کو تو خوشگوار دنوں کی خوشگواریت محسوس کرتے شاید ہی کبھی پتا چلتا یہ تو مزیب اور عبداللہ نے اس کی توجہ اس جانب دلائی کہ ”رانو ضرورت سے زیادہ غلیظ رہتی ہے۔“ تب اس نے رانو کا ایکسرے کیا اور بچ مچ فریز ہی ہو گئی۔

یہ ٹھیک تھا کہ شکل اللہ کی عطا کردہ تھی لیکن اس شکل کی صفائی ستھرائی کرنا تو اس کی اپنی ذمے داری تھی اور رانو تھی کہ صفائی کے معنوں سے ہی نا واقف...... دوسروں کے گھروں کی جھاڑ پونچھ کرنے والی خود اتنی غلیظ کہ دیکھ کر ہی جی متلانے لگتا۔ جو کپڑے وہ مالا کے گھر پہلے روز زیب تن کر کے آئی تھی وہی ابھی تک لگائے ہوئے تھی، حالانکہ ڈیڑھ مہینہ ہو چلا تھا۔ سر کے بال تھے تو وہ کھچڑی، بدن سے اٹھتی بدبو اتنی ناقابلِ برداشت کوئی بندہ پاس بیٹھ کر حال احوال بھی نہ کر سکے اور خود وہ ایسی اخلاقی کہ مالا جس صوفے، بیڈ پر بیٹھی ہوتی اسی پر آبیٹھتی...... ایک دو بار مزیب کی نظر پڑ گئی بعد میں اس نے مالا کا خوب ریکارڈ لگایا۔

”میرے قریب نہ آیا کرو، تم سے رانو کی بو آتی ہے۔“

اس نے لاکھ کہا ”رانو پیاری...... ہفتے میں نہ سہی پندرہ دنوں میں ایک بار نہا لیا کرو بلکہ میرے باتھ روم حاضر ہیں، یہیں نہا لو میں برا نہیں مانوں گی۔“ وہ ہنس کر ٹال جاتی۔

”باجی اتنے گھروں میں کام کرتی ہوں گھر جاتی ہوں تو مغرب ہو رہی ہوتی ہے، بس پھر سونے کے علاوہ اور کسی کام کا دل نہیں کرتا۔“ یہ اس کی رٹی رٹائی وضاحت ہوتی، تنگ آ کر مالا نے اس سے کہہ کر اپنے الفاظ گنوانا ہی چھوڑ دیے۔

مزیب اور عبداللہ کو تو اس سے چڑ ہو گئی تھی۔ مزیب گھر آتے ہی ”اس کو نکالو...... اس کی سدا بہار مہک گھر سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتی، گھر مہمانوں کی آمد کے قابل نہیں رہا......“ کا راگ الاپنا شروع کر دیتا...... یہی حال عبداللہ کا تھا۔ ایک روز مالا نے رانو سے اس کے تیتروں، چکوروں اور فاختاؤں والے ڈربے کی صفائی کیا کروائی وہ آپے سے ہی باہر ہو گیا۔

”ماما آپ نے اس سے کیوں کروائی صفائی میرے برڈز کے ڈربے پہلے اتنے بدبودار نہیں تھے جتنے اب ہو گئے ہیں بلکہ میرے سارے برڈز یوں سست ہو رہے ہیں جیسے انہوں نے کلوروفارم سونگھ لیا ہو۔“

”بیٹے رانو کو کلوروفارم ہی کہا کرو...... سچ ہمیں ہم کیوں سب بے ہوش نہیں ہوئے، بالخصوص آپ کی ماما۔“ مزیب نے عبداللہ کا ساتھ دے کر اس کے غصے کو مزید ہوا دی تھی۔

اپنے ظاہری حلیے کی خوبیوں کی طرح وہ آہستہ آہستہ کام بھی یوں کرنے لگی کہ مالا کا دیکھ کر بی پی شوٹ ہونے لگا۔ جھاڑو وہ یوں لگاتی جیسے ہوا میں لگایا ہو ابھی شروع ابھی اینڈ۔ کونے جوں کے توں گرد آلو چھتیں جالے زدہ...... اور مالا کے لاکھ کہنے پر بھی اس نے روز روز صوفے کھسکانے کی مشقت سے بھی انکار کر دیا تھا۔ نتیجتاً اس کے گھر کی مشہورِ زمانہ صفائی پر حرف آنے لگا۔ خود وہ آدھا دن صفائی کے نام پر خرچ کر دیتی تھی اور ایک رانو تھی...... ایک گھنٹے میں جھاڑو پونچھے سے فارغ، برتنوں کی دھلائی تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، دھوئے جاتی، بجائے جاتی اور بجانے کے عمل میں کسی نہ کسی کپ، گلاس، پرچ کی شہادت بھی لازمی ہوتی۔ مالا دہری مصیبت کا شکار ہو گئی تھی۔

☆☆☆

اس روز اچانک ہی ای بڑی بھابی اور ربعیہ آ گئیں۔ صبح کا ہی ٹائم تھا، مزیب اور عبداللہ کو آفس، اسکول سی آف کرنے کے بعد وہ رانو کے ہوائی جھاڑو کی صفائی ٹھنڈی آہیں بھر بھر کے برداشت کر رہی تھی جب ان لوگوں کی آمد ہوئی۔ صدماتی کیفیت بھی بحال وہ لمحوں میں کھل گئی۔

”ہم نے کہا...... تم تو ٹھہریں مہارانی گھر سے باہر نکلنا ناپسند کرتی ہو ہم ہی حاضر ہو جائیں تمہاری قدم بوسی کی خاطر ثواب ملے گا۔“ بڑی بھابی نے گلے لگتے ہی شکایت نامہ سنا ڈالا۔

”حالانکہ اب تو تم ملازمہ والی ہو گئی ہو یعنی

قراغت ہی فراغت پھر بھی مہینوں بعد شکل دکھاتی ہو۔“ رملہ تو تھی ہی شکایتیں کرنے میں فرنٹ..... شروع ہوگئی مسکراہٹ سجائے وہ انہیں لاؤنج میں لے آئی۔ جہاں رانو مصروفِ عمل تھی۔ تینوں مہمان خواتین نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ رانو نے حسبِ عادت قہقہے برسا کر سلام دعا کا آغاز کیا اور کام چھوڑ جھاڑ صوفے کے قریب قالین پر بیٹھ کر حال احوال کرنے لگی۔ رانو کی یہاں باضابطہ آمد کے بعد مالا کے میکے والوں کی یہ طویل عرصے کے بعد آمد تھی سو وہ رانو میں ٹنکے پھول ستاروں سے ناواقف تھیں تب ہی تو ان کا متوقعہ ری ایکشن سوچ کر مالا کی حالت غیر ہونے لگی۔ بیشتر اس کے کہ رانو کو چلتا کرنے کے لیے وہ کوئی مروت بھرا بہانہ سوچتی کہ امی کچھ لگی لپٹی رکھے بغیر بول اٹھیں۔

”اچھا اچھا..... باقی حال بعد میں پوچھ لینا ابھی جا کر کام ختم کرو۔“ رانو کو قطعی امید نہیں تھی اتنی حلیم طبع بیٹی کی ماں اتنی سخت گیر ہوگی۔ سو موٹے ہونٹوں کو مزید موٹا کیے وہ بے دلی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”بھئی..... یہ نمونہ کہاں سے ملا؟“ بڑی بھابی ابھی تک رانو کے جناتی قہقہوں کے زیرِ اثر تھیں چہرے کے زاویے بگاڑ کر انہوں نے استفسار کیا تو وہ پھیکی سی ہنس دی۔ رانو لاؤنج کی ہی صفائی کر رہی تھی امی اور رملہ کڑی نظروں سے اسے دیکھتی رہیں کہ جو فارغ ہو کر باہر بھی چلی گئی تھی۔

”مالا.....“ اس کے جاتے ہی امی کی سخت پکار پر وہ ان کی جانب متوجہ ہوئی اور بوکھلا سی گئی۔ امی کے تیور تاسف بھرے ہی نہیں قدرے جارحانہ بھی ہو رہے تھے۔

”ناں..... تم اتنی سہل پسند کب سے ہوگئیں کہ پورے کا پورا گھر اس بدبو کی گٹھڑی پر چھوڑ دیا یہ نسوار کی ڈبی صفائی کے نام پر جو جھاڑو خلا میں پھیر کر گئی ہے وہ تمہیں مطمئن کیسے کرتی ہے..... غضب خدا کا۔“ کہہ کر انہوں نے باقاعدہ صوفے کے اوپر سے اچک کر صوفے کے پیچھے موجود گرد ومٹی کی اجارہ داری دیکھی۔ رملہ اور بھابی نے بھی ان کی تقلید میں اچک کر دیکھا تھا اور بالکل امی کی ہی طرح نروٹھی سی شکل بنائی تھی۔ مالا کے لاکھ کہنے پر بھی رانو نے گزشتہ کئی روز سے صوفے کھسکا کر ان کے پیچھے یا نیچے جھاڑو پھیرنا چھوڑ رکھا تھا۔ نتیجتاً مٹی کے جالے آزادانہ پروان چڑھنے لگے۔

”تم سے برداشت کیسے ہو رہا ہے یہ گرد وغبار گھر کی شکل ہی بگڑ گئی ہے لگتا ہی نہیں یہ میری کسی گھر ہے ارے اس رانو کو الاٹ تو نہیں کر دیا۔“

”امی.....“ وہ منمنا کر رہ گئی ”رانو کے جانے کے بعد میں خود دوبارہ سے صفائی کرتی ہوں۔“

”ہاں میں۔“ مارے تحقیر کے ماں، بہن اور بھابی کی آنکھیں پھیل گئیں ”میری بچی..... یہ کیسی نوکرانی رکھی ہے تم نے؟ جسے خالی تنخواہ دیتی ہو اور کام خود کرتی ہو بھلا..... عریب بیٹے کی کمائی درختوں پر اگنے لگی ہے جو لٹانے کے لیے ایسی نوکرانی پکڑ لی۔ ارے کام ایک طرف اس کا حلیہ دیکھو ذرا مرے ہوئے چوہوں کی بو آ رہی ہے اس سے اور تمہارے پورے گھر سے بھی مجھے تو لگتا ہے سال کے بارہ مہینے یہ ڈیانا نہاتی ہی نہیں۔“ بڑی بھابی اور رملہ نے بھی پُرزور تصدیق کی۔ مالا رونی شکل بنائے چپکی رہی۔

”ناں تمہیں اس میں کون سے ہیرے نظر آگئے ٹھہرائے ہوئے ہو اور میں تو حیران ہوں عریب اور میرا صفائی پسند نواسا اس مردہ جانور کی بو کو برداشت کر رہے ہوں گے۔ ضرور تمہاری ضد کے آگے مجبور ہوں گے ناں میں پوچھتی ہوں تین بندوں کا ایسا بھاری ہوگیا تمہیں جو اپنے ہی گھر کی دشمن ہوگئیں سچ پوچھو تو مہمانوں کے بیٹھنے لائق نہیں رہا..... گھر اور پری صفائی ایک طرف تمہاری صاف ستھری رانو خوشبو رچ بس گئی ہے۔ مجھے تو خلجان ہونے لگا ہے کیوں بڑی دلہن.....؟“ اور بڑی دلہن تو تھیں ہی امی کی نوا جھٹ سے اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

”صحیح کہہ رہی ہیں آپ..... میرا بھی جی متلا رہا ہے۔“ مالا کو یقین تھا تینوں میکے والیاں آج خاص الخاص رانو کے بخیے ادھیڑنے صبح ہی صبح نازل ہوئی تھیں بغیر اطلاع دیے۔ براہو غزل کا ایک عالم میں رانو کی خوبیاں معہ خامیوں کے بیان کر دی تھیں۔ جسے نہیں پتا تھا اسے بھی پتا چل گیا۔ بڑی افسردگی سے اس نے چائے تیار کی اور ان کے سامنے رکھی جسے شرفِ قبولیت بخشنے سے تینوں نے صاف انکار کر دیا۔

”اتنی غلیظ نوکرانی کے ہاتھ سے دھلے برتنوں میں کچھ کھانا پینا اپنی ذات سے جانتے بوجھتے دشمنی کرنا ہے جو میں نہیں کر سکتی اس لیے سوری.....“ رملہ نے کندھے اچکا کر اسے مزید رونکھی بنایا۔ وہ کہنا چاہتی تھی..... نہیں برتن بھی میں دوبارہ دھوتی ہوں لیکن پھر کچھ دیر قبل ہونے والی عزت افزائی یاد آئی تو چپ ہی بھلی لگی۔

”اور نہیں تو کیا ذرا دیکھو برتنوں پر لیس لگا ہوا ہے۔“ اب چاہے امی کے آگے ناک رگڑ کر بھی وہ برتنوں کی صفائی اپنے ہاتھوں کا کرشمہ بتاتی انہوں نے نہیں ماننا تھا۔

”میرے داماد اور نواسے کو بھی تم انہی برتنوں میں کھلاتی پلاتی ہوگی..... توبہ توبہ میں آج ہی عریب کو فون کر کہتی ہوں کہ تم اور عبداللہ ہمارے گھر کھانا کھانے آیا کرو..... بیوی کو رہنے دو رانو کی چھاؤں میں نہال..... توبہ گھر کے کاموں سے ایسا بیزار بھی کسی کو نہیں دیکھا۔“ اس کے بعد تینوں نے جانے کا قصد کیا۔ اس کے بے حد اصرار پہ بھی نہیں رکی تھیں۔ رانو تو پہلے ہی رخصت ہو چکی تھی۔ ان کے جانے کے بعد لاؤنج تک گھسٹ کر آنے کی دیر تھی بس کئی نسل کی رفتار سے ہچکیاں اسٹارٹ ہوگئی تھیں۔

”یہ تو میرے میکے والے ہیں نہ حال پوچھا نہ احوال اور نمک چھڑک گئیں میری خوشی ہضم ہی نہیں ہو رہی کسی سے سب دشمن ہیں۔“ اونچا اونچا رونے کے ساتھ وہ بڑبڑاتی بھی رہی۔ اپنا قصور تو کہیں نظر ہی نہیں آ رہا تھا اس دن طبیعت اتنی بوجھل رہی کہ وہ دوبارہ گھر کی صفائی اور برتنوں کی دھلائی کے لیے اپنی شفٹ بھی نہ لگا سکی۔ بس پوتی بنی پڑی رہی۔

☆☆☆

”یہ تمہاری اس مہینے کی تنخواہ اور.....“ تیسرے مہینے کی تنخواہ رانو کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے اس نے کہنے کے ساتھ قدرے توقف کیا کچھ کہتے ہوئے مروت آڑے آ رہی تھی مگر کہنا بھی ضروری تھا سو گلا کھنکھار کر اس نے کن انکھیوں سے رانو کے چہرے کو دیکھا کہ جس پر تنخواہ ملنے کے بعد کی فطری رونق چھائی ہوئی تھی۔ مالا کی نرم طبیعت کے علاوہ یہ بات بھی باقی سب مالکوں پر بھاری تھی کہ وہ تنخواہ کے لیے لٹکاتی نہیں تھی۔ مہینہ شروع ہوتے ہی تھما دیتی تھی۔ رانو اس کی اس خوبی کی دل سے معترف تھی۔

”اور رانو..... تم آئندہ سے کام پر مت آنا..... مطلب بس کام اتنا ہوتا نہیں تو.....“ پل بھر کے لیے رانو کا رونق زدہ چہرہ بجھ سا گیا۔ مالا نے گڑبڑا کر نظریں چرائی تھیں۔ اس کا اپنا دل رانو کو چھٹی دیتے ہوئے افسردگی کا شکار ہو رہا تھا۔ اس لیے نہیں کہ رانو شاندار تھی بلکہ اس لیے کہ مالا انسانیت پرور تھی۔ رانو کی نوکری جانے کا دکھ وہ خود محسوس کر رہی تھی۔

”میں خود اپنے گھر کا کام کرلوں گی تمہاری مہربانی تم نے اتنے مہینے میرے گھر کام کیا۔“ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کون سا ایسا جملہ بولے جو رانو کو حوصلہ دے جائے۔ ابھی ایک ماہ قبل اس نے بے خدا داسی میں گھر کر مالا کو بتایا تھا فلاں مالکن کے گھر سے اسے چھٹی مل گئی ہے اور آج یہاں سے بھی چھٹی مل رہی تھی۔

”کوئی بات نہیں باجی..... یہ آنا جانا تو چلتا رہتا ہے مہربانی میری تو کیا آپ کی کہ جس نے مجھ سے سب سے ہٹ کر سلوک کیا..... مجھے بتایا کہ میں بھی انسان ہوں نرمی کی حقدار۔“ اپنے کڑک دار لہجے کے برعکس اس کی حلقہ زدہ آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔ مالا اندر ہی اندر تڑپ کر رہ گئی۔

رانو نے اس کی وہی خوبی وہی سلوک اس پر آشکار کیا کہ جسے رانو سے برت کر وہ بعد میں کڑھا کرتی تھی کہ وہ کیوں رانو سے اتنی نرمی سے پیش آتی ہے ڈانٹ پھٹکار کیوں نہیں کرتی۔ رانو اس روز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی گئی اس کا دل بھاری کر کے۔

☆☆☆

اگلی صبح وہی چیخم دھاڑ لیے ظہور پذیر ہوئی جو رانو کی

آمد سے پہلے ہوتی تھی۔ ایک کام ختم ہوا نہیں کہ دوسرا سوچ سوچ کر بخار چڑھ رہا تھا۔ مزیب اور عبداللہ کی چیلہ بازی خوامخواہ کی ٹینشن دے رہی تھی۔ وہ حسب توفیق اور حسب عادت مزیب پر بلاوجہ بگڑتی اور اپنی توانائی ویسٹ کرتی رہی' جب تک کہ وہ دونوں باپ بیٹا چلے نہیں گئے۔ زہر مار کر ناشتا کرنے کے بعد اس نے چہار اطراف نظریں دوڑائیں...... اور ایک دم تھکن زدہ ہوگئی۔

''اوہ گاڈ...... اتنے کام پھر وہی جھاڑو' وہی پونچھا اور میں مسکین۔'' بہت آزردہ سی ہو کر اس نے خود کلامی کی اور اگلا آدھا گھنٹا ''بس ابھی اٹھ کر جھاڑو لگاتی ہوں'' وہیں کچن میں بیٹھی سوچتی رہی۔

جب وال کلاک سے باقاعدہ میوزیکل البم گونجا...... تب وہ کسلمندی جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''رانو تو واقعی بہت بڑی نعمت تھی۔'' رانو کی موجودگی میں اسے دوسری شفٹ لگاتا تھکن آمیز نہیں لگا کرتا تھا کہ ہوائی ہی سہی کچھ تو صفائی وہ کر ہی جاتی تھی۔ اس وقت تو کام کرنے سے قبل ہی بیمار ہونے لگی تھی۔

''چلو...... اللہ مالک ہے۔'' بالآخر سر جھٹک کر اس نے بیڈروم سے بسم اللہ کی اور پھر اگلے چند گھنٹوں میں رگڑ رگڑ کر گھر چمکاتی مالا صاحبہ کو دیکھ کر کوئی اندازہ بھی نہیں کرسکتا تھا کہ کچھ دیر قبل یہ کتنی رو نکھی ہو رہی تھی' اب تو لگ رہا تھا جیسے اس پر جنون طاری ہوگیا ہو...... رانو منحوس جو صفائی کر جاتی تھی اس کا عقدہ آج کھل رہا تھا سارا گھر گند ہو رہا تھا اور وہ چمکا چمکا کر تھک نہیں رہی تھی۔ بیچ کے ڈیڑھ گھنٹے اس نے برتن اور کپڑوں کی دھلائی پر بھی لگائے اور پھر شروع ہوگئی۔ آج کی اس خصوصی صفائی میں کھانا بھی لیٹ ہوگیا۔

عبداللہ اسکول سے آیا تو وہ جنوں بھوتوں کی سردار بنی کھڑی تھی۔

''ماما...... آپ!'' وہ بے چارہ حیران پریشان رہ گیا۔

''ہاں بس ماما کی جان۔'' وہ کسی حد تک خفت کا شکار ہوگئی۔

''رانو نے کباڑہ کر دیا تھا گھر کا۔''

''تو آپ ایک ہی دن کے بجائے تین چار دن میں گھر صاف کرتیں آج تو آپ تھک گئی ہوں گی۔'' اس کے لہجے کی تشویش پر مالا کو ٹوٹ کر پیار آیا۔

''بہت...... اور اسی وجہ سے آج آپ کو کھانے کے نام پر صرف نوڈلز پر گزارہ کرنا پڑے گا۔''

''نو پرابلم...... اسکول میں بھی تو لنچ کیا تھا۔'' اس نے منٹوں میں نوڈلز تیار کر کے اس کے سامنے رکھے اور دوبارہ سے اِدھر اُدھر کے کاموں میں مشغول ہوگئی۔ گھر کے سارے باتھ روم تک آج دھو ڈالے۔

شام چار بجے کے قریب اس نے کھانا پکانے کی ابتدا کی کہ رات کو مزیب نے یہ چمکتا گھر تو نہیں کھانا تھا۔ اگرچہ جسم مارے تھکاوٹ کے ٹوٹ رہا تھا لیکن اس نے دل لگا کر کھانا تیار کیا اور اپنی اس عادت پر خود ہی جھنجلائی بھی...... یعنی کتاب میں تو درج نہیں تھا کہ روز کے روز صرف کھانا نہیں بلکہ جان مار کر مزیدار کھانا بنایا جائے۔ ایک آدھ دن چھٹی بھی ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ سات بجے کے قریب میاں صاحب تشریف لائے تو وہ حال سے بے حال استقبال کے لیے سامنے موجود یوں چل رہی تھی جیسے زمین سے فریاد کر رہی ہو کہ ''تم چلو تو میں بھی چلوں...... ورنہ نہیں۔'' مزیب نے ناقہم انداز میں کتنی ہی دیر تک اسے گھورا اور پھر عبداللہ کی جانب رخ پھیر کر یقین دہانی چاہی۔

''یار عبداللہ...... یہ اپنے گھر کی مالکن چینج ہوگئیں کیا؟ ماما کہاں ہیں آپ کی میں کسی اور کے گھر تو نہیں آگیا یہ رانو کی رشتے دار سامنے کیوں آگئی' ماما کو بلاؤ یار۔'' اس کے لہجے میں حد درجہ تشویش تھی مگر چمکتی آنکھیں شرارت کا پول کھول رہی تھیں۔ وہ خون کے گھونٹ بھرتی صوفے پر ٹک گئی۔

''قسم سے...... آج اس لمحے رانو بہت یاد آرہی ہے کچھ اور نہیں تو اپنی بیگم تو صاف ستھری مل ہی جاتی تھی۔'' وہ ابھی بھی خاموش ہی رہی۔ تب مزیب نے گھوم کر سارے گھر کو گویا ایک ہی نظر میں دیکھ ڈالا۔

''واہ مسز...... تم نے تو جادو کی چھڑی پھیر دی گھر میں'' آج لگ رہا ہے کہ اپنے گھر میں ہوں...... چلو...... پھر اسے ناقدانہ دیکھ کر آگے بولا ''تمہارا یہ روپ بھی چند لمحوں کے لیے گوارا ہے لیکن صاف ستھرے گھر کی تو بات ہی اور ہے۔'' یہ سن کر وہ کلس کر ہی تو رہ گئی۔ بیٹا تشویش زدہ ہو رہا تھا کہ ماما ایک ہی دن صفائی کیوں کی تین چار دن میں کیوں نہیں کی؟ اور سرتاج کہہ رہے تھے تمہارا یہ روپ گوارا ہے بس گھر چمکانے میں لگی رہو۔ اس کا دل چاہا چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لے کہ گلا بیٹھ جائے۔

''چلو تم فریش ہو جاؤ باہر کھانا کھا آتے ہیں۔'' اچانک ہی وہ بولا تو وہ چیخ کر کھڑی ہوگئی۔

''ابھی ابھی میں گھر کے کاموں سے فارغ ہوئی ہوں کھانا پکاتے ہوئے جو میرا پسینہ بہا ہے وہ بھی نہیں سوکھا اور جناب کہہ رہے ہیں فریش ہو جاؤ۔'' بالکل مزیب کی نقل کر کے اس نے کہا وہ سامنے صوفے پر ٹانگ پہ ٹانگ رکھے دونوں بازو صوفے کی بیک پر پھیلا بڑے مزے سے اسے تپتا ہوا دیکھ رہا تھا گویا اندازہ تھا ابھی کچھ سننے کو ملے گا۔

''بڑے خیر خواہ ہیں آپ میرے' یونہی پسینے میں شرابور میں نہائی تو فالج' لقوہ' گردن توڑ بخار کچھ بھی ہو جائے گا جو میں نہیں چاہتی سو اپنی آفر اپنے پاس ہی رکھیں۔ میں نے گھر میں کھانا پکا لیا ہے۔'' بڑی بڑی بیماریوں کے نام لے کر اس نے مزیب کو کم اور خود کو زیادہ دہلایا۔ وہ تو ابھی بھی مسکرا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے جانم...... لیکن آج رات تک تو نہا ہی لو گی ناں' تم پر بڑا پیار آرہا ہے۔'' اس کے قریب آکر مخمور لہجے کی مار ماری' ایک پل کو تو وہ سرخ پڑ گئی لیکن اگلے پل پھر وہی نروٹھی......

''ہرگز نہیں اپنا پیار کسی اور پر وار آئیں' میں آج گندی سندی ہی ٹھیک ہوں۔'' ناراض ناراض سی وہ عبداللہ کو دیکھنے باہر چل دی کہ جو نظر بچا کر اس ٹائم لان میں نکل گیا تھا۔ مزیب نے اس کی خفگی سے ہمیشہ کی طرح لطف لیا اور چینج کرنے بیڈروم میں گھس گیا۔

☆☆☆

شمیم اس کے گھر میں انٹری مارنے والی دوسری ملازمہ تھی کہ جس کے آنے پر اس نے حواس نہیں کھوئے' رانو کی باری میں جیسے جوش میں آکر ساتویں آسمان تک کو چھو آئی تھی اس بار نارمل رہی' نہ ہی اعلانِ عام کیا کہ ''میں ایک بار پھر نوکرانی والی ہوگئی ہوں۔'' یہ الگ بات تھی کہ غزل اس مرتبہ بھی سب سے پہلے شمیم کے چہرے سے فیض یاب ہوگئی۔ یہ ادھیڑ عمر ملازمہ مزیب کے ایک کزن کے توسط سے ملی تھی۔

''بھابی کام دام کا تو آپ خود ہی اندازہ کرلیجیے گا ہاں خاتون پورے محلے میں جھگڑالو مشہور ہیں۔ اب جیسے آپ کی مرضی۔'' اس کے اس دیور نے ساتھ ہی شمیم کے دو چار پھڈے کرتے ہوئے جھگڑے بھی تفصیلاً بتا دیے کہ جن میں شمیم زبانی ہی نہیں بلکہ عملی کارکردگی میں بھی آگے آگے تھی یعنی دنگل نما جھگڑے کرنے کی عادی تھی لیکن مالا نے ملازمہ شمیم کے مزاج کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ نتیجتاً اب وہ اس کے گھر میں تھی۔ لمبے تاڑ سے قد کی گندی رنگت کی حامل شمیم...... ہر لحاظ سے رانو کا الٹ ثابت ہوئی۔ کافی صفائی پسند تھی ہر تیسرے دن دھلا ہوا سوٹ پہن کر آجاتی لیکن...... مالا اس مرتبہ ضرورت سے زیادہ چوکنی تھی' کچھ دنوں میں ہی اندازہ ہوگیا کہ شمیم صاحبہ رانو سے بڑھ کر جی کا جنجال ہیں۔ اس کے صفائی پسند حلیے کو مالا نے نمائش میں تھوڑی رکھنا تھا جو صرف اس پر تکیہ کر کے بیٹھ جاتی' گھر کے کاموں میں یہ نئی ملازمہ بالکل ہی کوری تھی بلکہ مالا کو تو گمان گزرا کہ وہ جھاڑو پونچھا سیکھ ہی اس کے گھر سے رہی ہے۔

''او باجی' وقت وقت کی بات ہے کبھی میری قسمت بھی میری غلام ہوتی تھی' میرے پہلے مرد نے پلنگوں پر بٹھا کر میری خدمت کی۔ مجھے حیاتی کا ہر سکھ دیا یہ تو اللہ کی کرنی ہوئی کہ اس کے مرنے کے بعد سارے سسرالیوں نے میری جائداد پر قبضہ جما کر مجھے دھتکار دیا۔ قسمت کا لکھا تھا دوسری بار بیاہ ہوگیا پر...... یہ مرد بیماریوں کی مٹھ...... مجھے تو خاک پال الٹا مجھے ہی کھلانا پڑ رہا ہے...... بس بی بی...... وقت وقت کی بات ہے۔ مجبوراً رل رہی ہوں پرائے گھروں میں ورنہ میں نے بھی بہت عیش دیکھے ہیں۔'' مالا کہہ کر پچھتائی کہ...... ''تم نیا

"نیا کام کار ہی ہوگیا؟" شمیم صاحبہ نے کئی ٹھنڈی آہوں کے بیچ اپنی سنہری زندگی کے اوراق یوں کھول کر سنائے کہ مالا اس کی حالیہ زندگی کے لیے خود کو مجرم تصور کرنے لگی۔ اس کے بعد تو شمیم نے تانتا ہی باندھ لیا۔ "میں یہ تھی' میں وہ تھی" جیسا ٹاپک چھیڑے رہتی' سن کر مالا اچھی خاصی عاجز آگئی۔ نہ صرف یہ کہ وہ ناشتا یہیں آکر کرتی بلکہ اپنے دو چھوٹے بیٹوں کو بھی ہمراہ لے آتی' جو ایسے آفت کہ جب تک وہ کام کرتی وہ دونوں سارے گھر کا بڑے استحقاق سے جائزہ لیتے رہتے۔

شمیم صاحبہ جھاڑو کئی قسطوں میں لگاتی۔ ایک کمرا صاف کرکے پندرہ منٹ ستانے میں لگا دیتی' یہ عمل تب تک جاری رہتا جب تک کہ جھاڑو کمپلیٹ نہ ہوجاتی۔ رانو جو کام چٹکی بجانے میں کرتی تھی وہی کام شمیم کئی گھنٹے لگا کر پورا کرتی۔ جھاڑو کے بعد پونچھا وہ یوں کھڑے کھڑے لگاتی جیسے اسپتالوں میں خاکروب لگاتے ہیں۔ کھڑے کھڑے ایک پیر کی مدد سے فرش پر جرسی پھیر دیتی اور کام تمام...... برتن دھونے میں بھی اپنی اسی عادت پر قائم...... گھس گھس کر سال لگا دیتی اور مالا دانت گھسا گھسا کر نہ تھکتی۔ کپڑے بھی شمیم صاحبہ نے عالیشان طریقے سے دھوئے' واشنگ مشین میں سے نکال کر ٹب میں ڈالے اور پانی سے نکال کر سامنے نل ٹونٹی پر ہر کپڑا لٹکا کر اس طریقے سے نچوڑے کہ دیکھ کر مالا خود بھی نچڑ گئی۔

"ایسے کیوں نچوڑ رہی ہو' کپڑے پھٹ جائیں گے...... ہاتھوں سے نچوڑو ناں۔"

"میری کلائیوں کے جوڑ دکھتے ہیں باجی' میں تو ایسے ہی نچوڑتی ہوں اور یہ کپڑے میں اوپر بھی نہیں ڈال کر آؤں گی جی...... سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میرے لنگ لرزتے ہیں۔" مالا حق دق سی اس کی یہ نرالی وضاحت سنتی رہی۔ جی تو بہت چاہا کہہ دے اپنے کپڑوں کا اتنا بڑا گٹھڑ میرے گھر تک مشین میں دھونے کے لیے لاتے ہوئے ہاتھ نہیں کانپتے...... پر خون کے گھونٹ بھر کے رہ گئی۔

"ٹیک زبان ہی سلامت ہے تمہاری باقی تو ہر چیز کا جوڑ ہلا ہوا ہے۔" جل کر سوچا ضرور بہر حال ا[...] تنگ آکر کپڑے اس نے خود ہی دھوئے' شمیم کو [...] دیکھ کر خون میں ابال اٹھ رہے تھے۔ شمیم صاحبہ نے صرف اپنا گٹھڑ دھویا۔

بس دو ہفتے بہت تھے اسے برداشت کرنے کے لیے۔ عیش و عشرت گنوانے والی شمیم کو مالا نے پندرہ دنوں کی تنخواہ دے کر گویا اپنی جان خلاصی کرائی۔

"منحوس...... کہیں کی عالم پناہ کے خاندان کی [...] کی چولیں ہلا گئی میری۔" مزیب کے استفسار پر اس نے یہی تبصرہ کیا تھا۔ مزیب نے دل میں سوچا تھا' "ابھی تو آغاز ہے میری جان۔"

☆☆☆

اس کے بعد نوکرانیوں کی جھڑی لگ گئی۔ ایک آرہی ہے ایک جارہی ہے...... کوئی بھی ایسی نہ آئی جس نے اس کے معیار کو ہاتھ لگایا ہو۔ ہر ایک کو ہفتے بھر تک جانچ کر ہری جھنڈی دکھا دیتی۔

"یار مالا...... تم پر کسی نے جادو تو نہیں کر دیا' اچھے بھلے گھر کا ستیاناس کرنے پر تل گئی ہو' پہلے بھی تو سارے گھر کا کام تم خود ہی کرتی تھیں ناں...... اب کیا ہوگیا کہ......" نوکرانیوں کی اس جانچ پڑتال سے مزیب بھی عاجز آگیا۔ سو اپنے خیالات اس تک پہنچائے جو اس نے کان لپیٹ کر سنے۔

"ساری دنیا ملازمائیں رکھتی ہے ایک میری ہی کھوٹی قسمت کہ مجھے کام کی نوکرانی نہیں ملتی......"

"سوچو ذرا...... یہ اللہ کا اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم نوکرانی نہ رکھو' یوں بھی ہاتھ سے کام کرنے والا اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔" جواباً اس نے بے حد کراری نظر مزیب پر ڈالی تھی۔

سچ تو یہ تھا اسے خود کو آرام کرنے کا چسکا لگ گیا تھا۔ ایک نوکرانی جب رخت سفر باندھ جاتی اس کے بعد اگلے کئی روز اس کا دل کام میں نہ لگ پاتا۔ نوکرانی رکھنے کی خواہش سے وہ ابھی بھی دستبردار نہیں ہوئی تھی۔

ایک سال کے اندر اندر اس نے درجن بھر عورتوں کو تو نکال باہر کیا تھا۔ کئی کام چور تو کئی مال چور' ایک

تو اس کی سونے کی انگوٹھی تک اڑا لے گئی۔ غزل کو طنز کرنے کے لیے نئی نئی باتیں سوجھ گئی تھیں۔

"کیا اونچی قسمت پائی ہے تم نے...... کہاں تو نوکرانی کے نام سے خار کھاتی تھیں اور آج یہ حال ہے کہ بارہ مہینوں میں بارہ نوکرانیاں رکھ ڈالیں۔ بھئی مان گئے تمہیں' اس قدر تیز رفتاری سے ہمارے ملک کے وزیراعظم نہیں بدلتے جس پھرتی سے تم نے نوکرانیاں بدلیں۔ سچ...... تم نے تو حکومتوں کو بھی مات دے دی حالانکہ ہماری آئے دن بدلتی حکومتوں کی کوئی مثال نہیں ملتی تھی۔ پر اب مل گئی ہے تمہارا نام اس ضمن میں پی ٹی وی پر آنا چاہیے۔" خاصا اسٹائل مار کر غزل نے یہ تبصرہ پاس کرکے اس کا دماغ چکرایا تھا مگر چونکہ سچ کہہ رہی تھی سو چپ کا روزہ رکھ کا سنتی رہی اور آج کل وہ ایک مرتبہ پھر خاصی شد و مد سے تلاش نوکرانی کا اشتہار بنی خاندان میں ہی نہیں محلے بھر میں مشہور ہوئی پھر رہی تھی۔

☆☆☆

"بڑی بھابی مجھ سے یقیناً جھوٹ نہیں بول سکتیں لیکن...... مجھے تم سے ناراض ہو جانا چاہیے کہ تم نے خود مجھے یہ خوشخبری کیوں نہیں سنائی؟" ڈھیروں ڈھیر خوشی پر قابو پا کے وہ سنجیدہ تاثرات کے ساتھ اس کا شرمایا گھبرایا روپ دیکھ کر بولا تھا۔ جو پہلے ہی اس بات پر کٹی جارہی تھی کہ مزیب کو خبر ہوگئی ہے اور اب اسے سنجیدہ دیکھ کر مزید گھبراہٹ میں مبتلا ہوگئی۔

"نہیں مزیب پلیز نہیں...... ناراض ہونے کی بات مت کریں سچ مجھے خود کو بھی ہفتے بھر پہلے پتا چلا ہے اور میں سوچ رہی تھی آپ کو بتاؤں لیکن......" یوں گھبرا کر وضاحت دیتی وہ مزیب کو بہت پیاری لگی...... پر وہ مصنوعی سنجیدگی اوڑھے رہا۔

"لیکن کیا......!" بھاری سی آواز میں پوچھا تو وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

"لل...... لیکن مجھے آپ سے...... شرم آرہی تھی۔"

"قربان جاؤں۔" بہت ہوگئی تھی ایکٹنگ مزیب نے سرشار ہو کر اسے بازوؤں سے پکڑ کر گول گول گھما ڈالا "اتنی میٹھی سی نیوز مجھے ملے اور میں اپنی بیوی سے خفا ہو جاؤں...... کیوں بھئی مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے کیا؟" اس کی ٹھوڑی چھو کر چہرہ اوپر کرنا چاہا۔ مالا نے منہ مزید نیچے کرلیا' درحقیقت وہ یوں شرما رہی تھی جیسے پہلی مرتبہ پریگننٹ ہوئی ہو۔

"پتا ہے کیسی لگ رہی ہو...... بالکل اسٹرابری جیسی دل کر رہا ہے کھا جاؤں۔"

"اللہ مزیب......" وہ لال گلاب ہوگئی "نہ کریں ناں۔"

"اللہ' ہم تو کریں گے۔" مزیب کی شرارتیں تجاوز کرگئیں۔

بہت پیارے شب و روز شروع ہوگئے تھے' انوکھے انوکھے سے لیکن اس بار مالا کی طبیعت کافی بوجھل بوجھل سی تھی۔

"عبداللہ کی دفعہ تو مجھے پتا بھی نہیں چلا ہلکی پھلکی سی رہتی تھی پر اب تو طبیعت بہت خراب رہنے لگی ہے کام میں دل ہی نہیں لگتا۔ بس سوئے رہنے کو دل چاہتا ہے۔" مزیب کے آگے ہی اس نے کہا تھا' اوپر سے گرمیوں نے آغاز میں ہی تباہی مچادی تھی سو وہ مزید سست سی ہو رہی تھی۔

"یار بیوی تم تو یوں ری ایکٹ کر رہی ہو جیسے پہلی بار اس مرحلے سے گزر رہی ہو' سنبھالو خود کو بہادر بنو۔"

"سات سال بعد پریگننٹ ہوئی ہوں' بالکل نیا ہی لگ رہا ہے اور ڈر بھی بہت رہی ہوں۔"

"بے وقوف جو ہو۔" مزیب ہر ممکن کوشش کرتا اس پر کام کا بوجھ کم پڑے' کسی نہ کسی کام میں ہاتھ بٹائے رکھتا' ماسوائے جھاڑو پونچھے کے۔

"میرا نہیں دل کرتا صفائی کرنے کو' بی پی فوراً لو ہو جاتا ہے۔" ایک روز وہ اس کے سامنے بسوری تھی۔

"ایسی ضروری بھی نہیں ہے پڑے رہنے دو ایسا ہی گھر کسی روز رملہ کو بلوالیں گے تم بس اپنی طبیعت دیکھو۔" اس کا سر سہلا کر مزیب نے کہا تھا لیکن یہ بہت آسان نہیں تھا' رملہ دو ایک بار فراغت پا کر آئی پھر پڑھائی میں گم ہوگئی۔ یوں گھر کی جھاڑو پونچھا اسے خود ہی

ناچار کرنی پڑ گئی۔

☆☆☆

وہ اپنے چھوٹے سے لان کی آبیاری میں مگن تھی جب گیٹ کھلنے کی آواز پر متوجہ ہوئی۔ ایک دبلی پتلی سی کرخت شکل کی اچھی خاصی عمر کی عورت اندر داخل ہوئی۔

''یہ بھکارنیں بھی منہ اٹھا کر آجاتی ہیں۔'' دل ہی دل میں خود کو لعن طعن کیا کہ گیٹ کھلا کیوں چھوڑا تھا اور اس عورت کو کچھ دینے کے خیال سے ہاتھ جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ عورت تب تک اس کے سر پر پہنچ چکی تھی اور ایسی کڑی نظروں سے اسے گھور رہی تھی جیسے بھیک نہیں قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنے آئی ہو۔

''السلام علیکم!'' شکل کے برعکس آواز میں لوچ تھی۔

''وعلیکم السلام...... کیا لو گی...... آٹا یا......؟''

''ناں بی بی صاب ناں......'' وہ عورت بلا تاخیر بول اٹھی۔

''تو پھر۔'' مالا نے مٹی مٹی ہوتے ہاتھوں کو جھٹک کر کہا۔

''بس جی دکھیاری بھیک نہیں مانگتی، میں تو کام ڈھونڈنے آئی ہوں بی بی صاب...... محلے والوں نے کہا کہ آپ کو ضرورت ہے تو ادھر آگئی، بہت غریب ہوں آگے پیچھے کوئی نہیں پیٹ کا دوزخ بھرنے کی خاطر لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہوں، جس جھونپڑے میں رہتی ہوں اس کا کرایہ بھی چکانا پڑتا ہے، جس جس گھر میں گئی منہ کی کھائی ہر کسی نے پہلے سے کام والی رکھی ہوئی تھی، آپ رحم کھاؤ جی...... کچھ دن یوں ہی رکھ کے دیکھو کام پسند نہ آئے تو بھلے نکال دینا، پر اللہ کا واسطہ مجھے کام پہ رکھ لو۔''

اپنی کرخت شکل کے برعکس وہ بے حد گھگھیائے لہجے میں واسطے دے رہی تھی اور سامنے تو ٹھہری ہی ورلڈ ریکارڈ ہولڈر...... یعنی ورلڈ نمبر ون انسانیت پرور، انسانی ہمدردی سے سرشار بغیر ہچکچائے اس کے ایک ایک لفظ پر دل گرفتہ ہوگئی، کچھ اپنی غرض کا بھی خیال آگیا تھا۔

''اچھا......'' بھویں اچکا کر جھلی سی عورت کو بغور دیکھا کہ جو آنسو صاف کر رہی تھی۔

''اندر چلو...... اپنے بارے میں کچھ بتاؤ پھر ہی سوچوں گی۔'' دل کی سوچ کے برعکس دماغ کی تاویل مانی اور اسے اندر لے گئی۔

☆☆☆

کریمن ماسی کے بطور ملازمہ اپنے گھر میں تقرری پر وہ جتنی نہال تھی مزیب اتنا ہی نالاں......

''ایک ایسی عورت جس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ آیا وہ اپنے متعلق جو کچھ بتا رہی ہے وہ سچ بھی ہے یا نہیں، جو کسی کے توسط سے بھی نہیں بلکہ خود بخود چل کر ہمارے گھر آئی...... میری معصوم بیوی تم نے بغیر چھان پھٹک کیے اسے رکھ بھی لیا...... کل کلاں کو کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو کون ذمے دار ہوگا......؟''

کریمن ماسی کو اتوار کے روز بھی اپنے گھر دل جمعی سے کام کرتے دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔ اس سے قبل جتنی بھی نوکرانیاں آئیں، اتوار کے دن چھٹی کیا کرتی تھیں تبھی تو رات میں اس نے مالا کی کھنچائی شروع کردی۔

''ڈرائیں مت مجھے...... اتنی تو معصوم سی ہے وہ بے چاری۔'' چہرے کی کلینزنگ سے فارغ ہو کر وہ اس کے پہلو میں آبیٹھی تھی۔

''واٹ...... معصوم...... اور یہ ماسی......'' مزیب کا لہجہ استہزائیہ تھا ''مجھے تو بش کی رشتے دار لگتی ہے...... سیم اس کی طرح پھٹکار برس رہی ہے اس کے چہرے پر...... آئی تھنک یہ ہے بھی کوئی تخریب کار......''

''جی ہاں......'' وہ بگڑ ہی تو گئی ''واقعی تخریب کار ہے اور اس کو واقعی بش نے ہمارے گھر بھیجا ہے کیونکہ آپ جناب نے اسامہ بن لادن کے نائب کا عہدہ جو سنبھال لیا ہے، ایمن الظواہری کے کام آپ کے ذمے جو ہوگئے ہیں۔''

''کچھ بھی کہو...... میرا دل نہیں مان رہا یہ عورت ہمارے گھر کام کرے، پہلی فرصت میں اسے چلتا کرو۔''

''جی نہیں۔'' مزیب کے دوٹوک کہنے پر اس نے بھی دبنگ لہجے میں کہا ''یہ عورت نہیں جائے گی۔'' بڑی

مشکلوں سے تو کوئی ایسی ہاتھ لگی ہے کہ جو کام تیزی سے کرتی ہے اسے بھی نکال باہر کروں...... اور پھر آپ میری حالت تو دیکھیں کام کرنے جوگی نہیں رہی' الٹے سیدھے مشورے دے رہے ہیں۔" ناراض ناراض سی بیڈ کے کنارے تک کھسک گئی' آنسو بھی بڑے مہربان قسم کے تھے کوئی بات ہوئی نہیں اور پلکوں پر نگینے بن کے مہمان ہوگئے۔ ٹھنڈی گہری سانس بھرنے کے بعد حریب نے ہاتھ بڑھا کر اسے دوبارہ اپنی طرف کھینچا۔

"میں کیوں الٹے سیدھے مشورے دوں گا......؟ میری تم سے دشمنی ہوگئی ہے کیا بالخصوص اب جبکہ تم میرے بچے کی ماں بننے والی ہو' یار یہ تو ڈاکٹری نسخہ ہے کہ ان دنوں عورت کو چلتے پھرتے رہنا چاہیے۔" اسے پہلو سے لگانے کے بعد وہ رسان سے سمجھا رہا تھا کہ وہ ہاتھ اٹھا کر تنک مزاجی سے گویا ہوئی۔

"بس بس میں جانتی ہوں ڈاکٹری' حکیمی نسخے...... جبکہ رہی ہوں میں نہیں کرسکتی تو ضد کرنے کا فائدہ اور یہ بھی تو دیکھیں کیسے اپنا گھر سمجھ کر ماسی کام کرتی ہے اتوار تک آتی ہے پرسوں اس نے مجھے گندم صاف کرکے دی...... حریب کیا بتاؤں کتنی ساری گندم بغیر تھکے ایک ہی دن میں صاف کی' حالانکہ کتنی گرمی تھی اور اضافی پیسے بھی نہیں لیے۔"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کوئی مقصد پورا کرنے نہ آئی ہو۔" حریب اپنی بات پر قائم تھا۔ مالا زچ ہوگئی تھی تکیہ درست کرکے کروٹ بدل کر احتجاجاً سوتی بن گئی۔

"مجھے لگتا ہے تخریب کار ہی نہیں جادوگرنی بھی ہے' کالا جادو کرکے تمہیں اپنا گرویدہ بنالیا ہے لیکن یہ یاد رکھو میرے گھر پر اس کالے جادو کے اثرات نہ پڑیں۔" مالا نے جھنجلا کر سر کے نیچے سے تکیہ نکال کر کانوں پر رکھ لیا تھا۔ بہت سنجیدہ ہونے کے باوجود بھی حریب کی ہنسی نکل گئی۔

سچ تو یہ تھا صرف حریب نے ہی نہیں بلکہ امی لوگوں نے بھی اسے محتاط رہنے کی تلقین کی تھی۔ اس سے قبل تو جو ملازمہ بھی آئی کسی کے توسط سے آئی یہ تو خود ہی منہ اٹھائے آگئی تھی سو سب کی پریشانی بجا تھی لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی کہ جو کریمن کے صاف ستھرے کام کی اسیر ہوگیا تھا۔ جبھی تو حریب کی ہر روز کی تنبیہ بھی بے جھنک کرنے لگی۔ جو نا معلوم کیوں اس سے خار کھا رہا تھا...... البتہ عبداللہ خوش تھا کیونکہ ماسی گھر کے کام کرنے کے ساتھ ساتھ اسے بھی بڑی پیاری سی کہانیاں' قصے سناتی رہتی تھی۔ یہی نہیں مٹی کے بہت سے جانور بھی بنا کر دیے تھے ایسے زبردست کہ کیا ہی کسی N.C.A کے اسٹوڈنٹ نے بنائے ہوں گی۔

یوں ایک عرصے کے بعد سہی اس گھر کو ملازمہ کا سکون مل ہی گیا۔

☆☆☆

اب تو مالا کو یقین آنے لگا تھا کہ یہ ماسی ضرور اسے کسی نیکی کے انعام کے طور پر غیب کی طرف سے بھیجی گئی ہے بے حد غیر محسوس طریقے سے ماسی سارے گھر پر چھا گئی تھی۔ ماسوائے حریب کے۔ دوپہر بارہ بجے تک مالا کے پاس رہتی ایک ایک کام بے حد دل سے کرتی یوں کہ مالا کو کبھی ٹوکنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی بلکہ الٹا وہ خوشگوار حیرت میں گھر جاتی' دبلی پتلی پینتالیس پچاس کے لگ بھگ کی ماسی میں شاید برقی رو دوڑتی تھی۔ مجال تھی جو کبھی تھکن کا اظہار کرتی بلکہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اضافی کام بھی کیے جاتی۔ مالا کو ہر طرف سے سکون ہی سکون مل گیا۔ کپڑے وہ صرف واشنگ مشین میں ہی نہیں بلکہ ہاتھ سے بھی دھویا کرتی تھی۔ یوں مالا کے سر سے ہاتھ سے کپڑے دھونے کا بوجھ بھی کھسک گیا۔ پہلے آنے والی نوکرانیاں تو واشنگ مشین ہی نخرے کرکے لگایا کرتی تھیں کجا کہ ہاتھ سے کپڑے دھوتیں' اور کریمن ماسی اس نے تو کمال ہی کردیا۔ ایسے صاف شفاف کپڑے ہاتھ سے دھوئے کہ مالا بھی اش اش کر اٹھی۔

روٹین کے کاموں کے علاوہ بھی ماسی خوب خوب معاون ثابت ہوتی۔ دوپہر کے ٹائم چھٹی لے کر جاتی تو شام میں واپس آجاتی۔

"بی بی صاب...... فارغ نہیں بیٹھا جاتا آپ کی حالت ایسی ہے کہ سوچا شام کے وقت بھی آجایا کروں بس بدلے میں دو کپ چائے پلادیا کرو۔" پہلی مرتبہ

شام میں آئی تو مالا کی حیرت دیکھ کر یہ وضاحت دینے لگی' مالا کے تو دل کی کلی کھل گئی' اسے اور کیا چاہیے تھا بے شک ماسی دو کپ چائے کے بجتی یا پوری کیتلی اس کے لیے فائدہ ہی فائدہ تھا۔

یوں ماسی نے شام میں آنا بھی روٹین بنالیا۔ اس ٹائم وہ دوپہر کے گندے برتن دھونے کے علاوہ چائے بھی خود ہی بنانے لگی اور حیرت انگیز طور پر زبردست سی مالا تو ہر کام سے آزاد ہوگئی۔ ماسوائے کھانا پکانے کے کیونکہ ماسی شام میں صرف اس کے ہی نہیں بلکہ عبداللہ اور حریب کے بھی دھلے کپڑے پریس کرجاتی تھی۔ شوز ایسے پالش کرتی کہ لش لش کررہے ہوتے' بہت آہستہ آہستہ...... مالا میں آرام پرستی سرایت کرگئی بے حد خطرناک قسم کی۔ کریمن ماسی کا وجود اسے اپنے گھر کے لیے لازم وملزوم لگنے لگا۔

☆☆☆

دانت پہ دانت جمائے وہ ماسی کو یہاں وہاں تیزی سے کام کرتے دیکھتا رہا۔ اس کے سامنے ماسی نے نہ صرف چائے بنائی بلکہ اس کے اور عبداللہ کے کل پہننے والے کپڑے بھی پریس کردیے۔ شوز پالش کرنے کے بعد عبداللہ کے کمرے میں گھس گئی۔ کافی دیر تک وہیں رہی پھر باہر آکر چائے کے برتن دھوئے اور مالا کے سر میں خوب رگڑ رگڑ کر خالص ماشیوں کی طرح تیل لگایا۔

"آپ نے لگوایا ہے؟" خوابیدہ سی آنکھوں کو بہ مشکل کھول کر مالا صاحبہ نے اس سے پوچھ لیا وہ ہونٹ بھینچ کر وہاں سے اٹھ ہی آیا۔

"کیا بات ہے حریب...... کافی چپ چپ لگ رہے ہیں۔" چھ بجے کے قریب وہ تیل میں نہائی کمرے میں داخل ہوئی تو وہ موڈ آف کیے بستر پر اینٹھا پڑا تھا۔

"یہ ڈیوٹی بھی ماسی کے ذمے لگادو میرے باقی سارے کام بھی وہیں کرنے لگی ہے مجھے منانے کا کام بھی اسے سونپ دو۔" ٹیڑھی نظروں سے اسے دیکھ کر وہ تڑخا تھا۔

"کمال کرتے ہیں' خوامخواہ میں کیوں منہ پھلایا ہوا ہے بھلا؟" وہ اس کے قریب بیڈ پر آبیٹھی۔

"اس لیے کہ مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا کہ ایک پرائی عورت میرے گھر میں اتنی انوالو ہو۔"

"وہ محض ایک نوکرانی ہے حریب!" وہ زور دے کر بولی۔

"یہی تو سمجھانا چاہ رہا ہوں' وہ نوکرانی ہے' اس سے نوکرانیوں والے کام کرواؤ...... اور پلیز میرے کاموں سے پہلو تہی کرنا چھوڑ دو واحد بیوی ہو جس نے شوہر کے کام بھی ملازمہ کے سر پر ڈال رکھے ہیں مجھے چائے بنا کر دے وہ...... میرے سامنے کھانا رکھے وہ...... میرے ہاتھ میں تولیا تھمائے وہ...... مالا آج تم میرے کام سے بیزار ہوئی ہو کل کو مجھ سے بھی ہوجاؤ گی۔" حریب کے تخت سے انداز پر وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے گئی' سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ اتنا کبیدہ خاطر کیوں ہورہا ہے جبکہ وجہ بالکل بھی مدلل نہیں۔

"میں تم سے کہہ رہا ہوں مجھ سے اس نوکرانی کا اتنا زیادہ ہولڈ بالکل بھی برداشت نہیں ہورہا۔ باپ کا گھر سمجھ کر وہ ہر کمرے میں دندناتی پھر رہی ہے اور تم بجائے اس کے سر پر کھڑے ہونے کے پڑی ہوست الوجود بن کر...... مجھے تمہاری یہ تبدیلی بہت بری لگ رہی ہے۔ مجھے وہی ایکٹو سی مالا چاہیے جو گھر کی ایک ایک چیز کو عزیز رکھتی تھی' نہ کہ یہ والی کہ جس نے ضروری ضروری کام بھی ملازمہ کے سپرد کردیے ہیں۔" وہ نان اسٹاپ بول رہا تھا اور مالا ماتھے پر شکنیں سجاتی جارہی تھی۔ اس کے نزدیک وہ بالکل ہی بلاجواز بگڑ رہا تھا۔

"آپ نا معلوم کیوں غصہ ہورہے ہیں' جانتے بھی ہیں میری حالت کتنی خراب ہے؟"

"بس کرو......" بے اختیار وہ جھنجلایا "فرسٹ ٹائم تھوڑی پریگنینٹ ہوئی ہو اور تم سے کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ اس عرصے میں تم ہر کام اپنے ہاتھ سے کرو خصوصاً پونچھا لگانا وغیرہ اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے......"

"اپنے ہاتھ سے کام کرو' اپنے ہاتھ سے کام کرو۔" بالآخر ضبط جواب دے گیا اور وہ عادت کے مطابق پھٹ ہی پڑی۔ بالکل حریب کے انداز میں کاپی کرکے مزید بھڑکی "آپ کہیں کی لیڈی ڈاکٹر لگے ہیں یا

واقعی؟" مزیب نے منہ اور آنکھیں کھول کر اسے دیکھا جو یقیناً کھسک گئی تھی۔

"اپنے پاس رکھیے اپنے مشورے میں بہتر جانتی ہوں مجھے کیا کرنا چاہیے' غضب خدا کا ایک غریب عورت برداشت نہیں ہو رہی' ڈاکے ڈالنے تو نہیں آئی وہ۔"

"جب ڈال جائے تب میرے آگے مت رونا۔"

"نہیں روؤں گی۔" حالانکہ رونا تو ابھی سے آرہا تھا۔

"بے وقوف نہ ہو تو......" ہمیشہ کی طرح آنسو دیکھ کر مزیب وہیا پڑ گیا "میں سمجھا تھا میری بیوی اب عقل والی ہو گئی ہے لیکن......"

"تو کیوں کی مجھ سے شادی' لے آتے کوئی انجینئر' ڈاکٹر بیوی جو خود بھی عقل والی ہوتی اور آپ کے دماغ کے پیچ بھی کستی بلکہ ابھی بھی وقت ہے ایک چھوڑ کئی لے آئیں۔" زور زور سے بول کر اپنے اندر کا تناؤ کم کر رہی تھی وہ۔

"ایک کے نخرے یہاں تک لے آئے ہیں اور کئی لے آؤں...... میری جان......" قبل اس کے کہ وہ کوئی من پسند جسارت کرتا باہر عبداللہ کی پکار نے دونوں کو چونکا دیا۔ دونوں ہی باہر بھاگے تھے۔

☆☆☆

رہائشی حصہ سارا غباروں سے بھرا ہوا انوکھا منظر پیش کر رہا تھا چھتوں سے بھی غبارے اور جھنڈیاں لٹک رہی تھیں اور عبداللہ سر پر تکونی ٹوپی سجائے سب بچوں میں راجا اندر بنا پھر رہا تھا۔ مالا کے میکے سے ایک ایک فرد خوشیوں کو دوبالا کرنے کے لیے یہاں موجود تھا۔ مزیب کی بھی دو ایک قریبی رشتے دار شریک تھیں جبکہ آپا نے تو سب سے پہلے فون پر مبارکباد دے دی تھی۔ مالا بیٹے کی سالگرہ کا صحیح لطف لینے اور دینے کے لیے صحیح معنوں میں ستی بھگائے ایکٹو بنی پھر رہی تھی۔ مزیب اپنے دونوں سالوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مگن تھا اور اس شور و غل اور ہنگامے میں...... کریمن ماسی کی پھرتیاں کسی بھی آنکھ سے پوشیدہ نہیں رہی تھیں۔ کئی بکھیڑے تھے آج کے جو ماسی کے ہاتھوں سمٹ سنور رہے تھے تو حقیقتاً شاک میں تھی کہ یہ شاہکار ماسی مالا کے ہاتھ لگی کیسے......؟

"ادل بدل کر لیتے ہیں میری والی اپنے گھر لے جاؤ یہ مجھے دے دو۔" سب کے بیچ بیٹھ کر اس نے نہایت خوشامدی لہجے میں کہا تو سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ مالا نے زبان چڑا کر اسے ہری جھنڈی دکھائی تھی۔

"واقعی بھئی مان گئے...... تمہاری ماسی کی کیا بات ہے؟ پورا گھر سر پر اٹھا رکھا ہے۔" چھوٹی بھابی بھی رطب اللسان تھیں۔ ان کی دیکھا دیکھی باقی سب بھی شروع ہو گئے۔ مرد بھی ادھر متوجہ ہو گئے تھے۔ مالا کا خوشی سے تمتماتا چہرہ دیکھ کر مزیب کو ہنسی آرہی تھی۔

"میرا خیال ہے خواتین' نیکیاں بعد میں گن لیجیے گا پہلے کیک کاٹنے کا عمل ہو جائے کہ میرا بیٹا کافی بے صبر ہو رہا ہے۔" بالآخر مزیب کے اعلانیہ کہنے پر سب نے کریمن نامہ بند کیا اور بڑی سی ٹیبل کے گرد جمع ہو گئے۔ جہاں عبداللہ نے تالیوں کی گونج اور ہیپی برتھ ڈے کے شور میں کیک پر چھری پھیری' ہر جانب مبارک سلامت کا شور بلند ہو گیا۔

مالا کے امی ابو نے ہزار ہزار کے نوٹ عبداللہ کو تھمائے' باقیوں نے بھی قیمتی تحائف دیے تھے۔ اس کے بعد کھانے پینے کا دور شروع ہو گیا' رملہ سب چھوٹے بچوں کو اکٹھا کیے ٹی وی کے آگے جا بیٹھی' جس پر کارٹون نیٹ ورک کی وجہ سے بچوں کی شوریدہ سری میں کمی آئی تھی ورنہ تو اودھم مچا رکھا تھا سب نے۔ سالگرہ کا فنکشن ہمیشہ سے زیادہ شاندار رہا تھا کہ کریمن کا ساتھ تھا۔

کھانا کھانے کے فوراً بعد اس نے سارے برتنوں کا انبار دھو کے لاؤنج کی حالت بھی بہتر بنا لی تھی سب کی توصیفی نظریں اس کا طواف کر رہی تھیں۔

"یہ تو روبوٹ ہے کوئی' ذرا بھی نہیں تھکی۔" مالا نے گردن اکڑا کے مزنہ کی جانب سے کی گئی یہ تعریف اپنے کھاتے میں ڈالی۔

"اچھا بھئی بچو...... بہت دیر ہو گئی اب گھر چلنے کی

کرو' بچوں کے اودھم نے میرے تو سر میں درد کر دیا ہے۔" مرتضام کرامی نے گپوں میں مگن بیوؤں' بیٹوں کو مخاطب کیا تھا تب ہی کریمن ہاتھ پونچھتی ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"بی بی صاحب...... آپ اجازت دو میں آپ کے سر میں ایسی مالش کر دوں کہ سر کا درد منٹوں میں بھاگ جائے گا۔"

"ہاں' ہاں کیوں نہیں ماسی۔" مالا نے ہونق بنی امی کو کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا اور خود ہی تیل کی بوتل بھی اٹھا لائی۔ امی بے چاری کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا اور کریمن کسی پیشہ ور ماشی کی طرح شروع ہو گئی۔ امی نے بہتیرا کہا۔

"ارے رہنے دو...... رات کا ٹائم ہے۔" پر مالا کے جوش کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔

"امی گرمیاں ہیں کچھ نہیں ہوتا بلکہ تراوٹ ملے گی دماغ کو۔" اور واقعی اگلے پانچ منٹوں بعد امی کی زبان سے پھولوں کی صورت دعائیں جھڑ رہی تھیں۔

"کریمن اللہ تمہیں سکھ دے' بڑھاپے کا سکون دے' تمہارے دن پھیرے۔" ایسی قیمتی دعائیں سن کر کریمن کے ہاتھوں میں قدرتی طور پر تیزی آگئی اور پھر جب تین منٹ کے بعد کریمن فارغ ہوئی تو امی باقاعدہ جھوم رہی تھیں۔

"چھوٹی دلہن...... کل سے تم سر درد کی وجہ سے بے حال ہو مالش کروا لو سچ میں سکون مل جائے گا۔" امی کی بات سن کر اٹھنے کے لیے پر تولتی کریمن دوبارہ بیٹھ گئی۔ چھوٹی بھابی قدرے جھجک کر کریمن کے پاس آگئیں۔ اس کے بعد بڑی بھابی اور مزنہ نے بھی دماغ کے پرت کھلوا لیے۔ غزل اور رملہ رہ گئی تھیں کہ جنہیں سر پہ تیل لگانے کی تو عادت تھی پر مالش کی نہیں۔

"ارے مزہ آگیا' کریمن تمہارے ہاتھوں میں تو جادو ہے۔"

"کالا جادو۔" بڑی بھابی کے توصیفی جملے کے بعد مزیب نے بڑبڑا کر کہا تھا۔

"اب ایسا ہے کہ ہفتے میں ایک دن تم ہمارے گھر بھی حاضری دیا کرو' اسپیشل تیل لگانے کے لیے۔" چھوٹی بھابی نے لمحوں میں فیصلہ بھی کر لیا۔ کریمن نے بخوشی سر تسلیم خم کیا تھا۔

"ماشاء اللہ خواتین آپ اپنی دو گھنٹے کی تیاری پر تیل پھیرنے کے لیے کیسے رضامند ہو گئیں؟" چھوٹے بھیا نے نک سک سے تیار خواتین کو دیکھا کہ جو چپڑے بالوں کے ساتھ عجیب منظر پیش کر رہی تھیں۔

"میں تو کہتی ہوں اسفند آپ بھی لگوا لیں' یہی دماغ کھل جائے گا۔"

"مجھے معاف کرو۔" چھوٹے بھیا نے بیوی کی آفر پر جھٹ کان پکڑے تھے۔

"بالکل مالا کی طرح...... اس کا بھی بس نہیں چلتا پکڑ کر مجھے کریمن کے حوالے کر دے۔ دماغ کو تراوٹ پہنچانے کے لیے۔" مزیب نے بھی ازراہ شرارت کہہ ڈالا۔ مالا بس گھور کر رہ گئی۔ بعد ازاں سالگرہ کی باقیات سمیٹنے میں مدد کروانے کے بعد پیارے پیارے مہمانوں کا یہ قافلہ اپنے گھروں کو روانہ ہوا۔

"کیا بات ہے...... بڑی خوش نظر آرہی ہو ایوں گویا عبداللہ کی نہیں تمہاری سالگرہ ہو۔" رات میں مزیب کے پہلو میں براجمان ہوئی تو وہ اس کے کھلکھلاتے چہرے پر حصار باندھ کر پوچھنے لگا۔

"بیٹے کی سالگرہ پر خوش نہیں ہونا چاہیے کیا؟ اور جناب اضافی خوشی اسی وجہ سے ہے کہ سب کو میری نوکرانی بہت پسند آئی۔"

"او گاڈ...... او مائی گاڈ۔" مزیب نے کروٹ بدلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

☆☆☆

دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کالی گھٹاؤں کی زد میں آگیا تھا۔ اچانک چلنے والی ٹھنڈی باد نسیم دل و دماغ معطر کر گئی۔ ماہ اگست کا مخصوص حبس بس ختم ہی ہونے والا تھا۔ موسم کی خوبصورتی سے آنکھ چرائے وہ قدرے بیزار لاؤنج کے صوفے پر نیم دراز تھی۔ دماغ میں نیند بھری ہوئی تھی اور وہ عبداللہ کا سوچ کر زبردستی اسے جھٹک رہی تھی کہ جو آج سونے پر آمادہ ہی نہیں تھا' ساڑھے تین

تو بیج گئے تھے۔

''ماما......''معاذ وہ اسپیڈ سے بھاگتا لاؤنج میں داخل ہوا۔

''مجھے ٹوئنٹی روپیز دیں میں نے پٹاخے لینے ہیں۔'' وہ ضدی پن سے بولا حالانکہ ابھی چند لمحے قبل مالا نے اسے سختی سے منع کیا تھا۔ اس بار چودہ اگست کی خوشی پٹاخے پھوڑ کر نرالے طریقے سے منائی جارہی تھی' مالا نے ایک بار پھر سختی سے منع کیا۔

''ماما پلیز' پلیز لینے دیں ناں' بس لاسٹ ٹائم پھر نہیں لوں گا۔'' مالا کو اجازت دیتے ہی بنی' بیس روپے اسے پکڑاتے ہوئے جلدی گھر آنے کی تاکید بھی کی۔ یوں بھی عبداللہ گھر ہی میں رہنے والا بچہ تھا باہر کہیں جانا ہوتا تو مزیب ہمراہ جاتا' آس پاس کی دکانوں پر بھیجنے سے بھی مالا کا دل ہولتا تھا۔

''جلدی آجانا۔'' اس کی بات پوری ہونے سے پیشتر ہی عبداللہ ہوا کے گھوڑے پر سوار باہر بھاگا تھا۔ وہ لمبے لمبے سانس کھینچتی صوفے پر لیٹی ہی تھی کہ کریمن آگئی۔

''کریمن...... عبداللہ باہر چیز لینے گیا ہے تم ذرا اس کے پیچھے جاؤ' مین روڈ کے درمیان میں چلتا ہے برتن واپس آکر دھولینا۔'' مندی مندی آنکھوں کے ساتھ کریمن کو کہا وہ اثبات میں سر ہلاتی چلی گئی۔ دس منٹ بہ مشکل وہ ان کے انتظار میں جاگی اس کے بعد خبر بھی نہ ہوئی اور اردگرد سے غافل ہوگئی۔ باہر دھواں دھار بارش برستی رہی اور وہ ایک جہاں سے بے خبر سوئی رہی۔

☆☆☆

آنکھ کھلی تو طبیعت کا بوجھل پن کم ہونے کے بجائے عروج پر پہنچ چکا تھا' لاؤنج میں تاریکی کسی عفریت کے مانند پھیلی ہوئی تھی۔ چند لمحے تو اسے مندی آنکھیں وا کرنے میں لگ گئے۔

''پتا نہیں میں کتنا سوگئی؟ نہ جانے ٹائم کیا ہورہا ہوگا؟'' آہستہ آہستہ حواس بھی جاگ ہی گئے۔ بکھرے بالوں کو کیچر میں جکڑنے کے بعد اس نے لاؤنج کی لائٹس آن کیں اور جب وال کلاک پر نظر ڈالی تو چکرا ہی گئی۔

''سوا سات...... او گاڈ......'' دماغ ہی گھوم گیا تھا' یہ سوچ کر کہ وہ اتنی دیر تک سوئی...... شاید اس بات سے بے خبر تھی کہ آج وقت کسی اور کا ہم قدم ہوگیا ہے...... کسی نے اپنی چال میں کامیاب ہونا ہی تھا کہ وہ چوٹ کھا گئی پا گیا۔

''عبداللہ...... عبداللہ کہاں گیا؟'' یہ رٹ لگاتی روتی ہوئی گئی تھی اندر' دیوانہ وار اس نے سارا گھر کھنگال ڈالا ایک ایک چپہ...... عبداللہ کی خاک بھی نہ ملی۔

''پٹاخے لینے کا کہہ کر گیا تھا اتنی دیر تو کبھی نہیں لگائی...... مم...... میں نے کریمن کو بھی ساتھ کیا تھا پھر بھی پھر بھی......'' کہاں کی سستی اور کہاں کا بوجھل پن عبداللہ...... عبداللہ...... کی گردان لگائے وہ سارا گھر دوسری بار بھی چھان آئی پر عبداللہ ندارد۔

''کہاں چلا گیا؟'' وسوسے سیاہ ناگ بن کر پھن پھیلا چکے تھے' اندیشے دل کے حکمران بن گئے' دوڑتے ہوئے' ہانپتے ہوئے وہ بیرونی گیٹ تک پہنچی کہ جو کھلا تھا۔ ذرا سا سر نکال کر باہر دیکھا گھور اندھیرا منہ پھاڑے نگلنے کو تیار کھڑا تھا۔ ہمیشہ وہ ہی اپنے گیٹ کے اوپر کی شیڈ پر لگی ٹیوب لائٹ آن کرتی تھی تاکہ مزیب کی طرف سے سخت سست سننے کو نہ ملیں کہ وہ بھی دیگر کنجوس گھر داروں کی طرح بجلی کی بچت بس یہی باہر کی لائٹ ہی بند کرکے کرتی ہے۔ پر آج...... وہ خود ہی نہیں قسمت بھی سوگئی تھی شاید۔

گیٹ یونہی کھلا چھوڑے وہ الٹے قدموں اندر بھاگی' سانس تیز تیز چل رہی تھی اور آنسو رخسار بھگوئے جارہے تھے' لرزتے' کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے آس پاس کے ہر اس گھر کال کرکے عبداللہ کا پوچھا کہ جہاں وہ موجود ہوسکتا تھا پر مایوسی ہی مایوسی نصیب ہوئی۔

''یا اللہ...... یا اللہ میرے عبداللہ کو کچھ نہ ہو...... اسے خیریت سے مجھ تک پہنچا۔'' اس کے بعد میکے کا نمبر ملایا اور ابو کی آواز سنتے ہی بھل بھل رو کر انہیں عبداللہ کی گمشدگی کا بتایا وہ فوراً پریشان ہوئے تھے۔

''تم حوصلہ رکھو' ہم آرہے ہیں۔'' انہوں نے کہا۔ سب سے آخر میں ہچکیوں کے بیچ اس نے مزیب کے آفس کا نمبر ملا کر اسے اطلاع دی تھی۔

''کہاں جاسکتا ہے' معاذ یہ کے پاس ہوگا' وہاں پتا کیا؟'' وہ اس کے رونے سے پریشان ہوگیا تھا' معاذ یہ ہمسایوں کا بچہ تھا اور عبداللہ کا دوست بھی۔

''پتا کیا ہے ایک ایک گھر میں پتا کیا ہے...... کہیں نہیں ہے۔'' مزیب پوچھنا چاہتا تھا ''تم کہاں تھیں اس وقت؟'' لیکن اس کی حالت کے ''پیش نظر'' میں آتا ہوں'' کہہ کر موبائل آف کردیا۔

لنچ ٹائم میں ہی وہ اسے کہہ آیا تھا کہ رات دیر سے آئے گا اور ابھی بھی وہ یزدانی صاحب کے یہاں بزنس افیئرز کی وجہ سے موجود تھا کہ اس دھماکا خیز اطلاع نے حسیات مفلوج کردیں۔ وہ آندھی طوفان کو مات دیتا گھر پہنچا تو امی' ابو اور بڑے بھیا' چھوٹے بھیا پہلے سے وہاں موجود تھے۔ مزیب کی نظریں روتی بلکتی مالا پر گئی تھیں۔

''کیسے ہوا...... اس ٹائم تو وہ کبھی باہر جاتا ہی نہیں؟'' سب کے پریشان چہروں سے نظریں چرا کر وہ ڈائریکٹ مالا سے پوچھ رہا تھا لیکن وہ گھٹنوں میں منہ دبے روتی رہی بس۔

''میرا بچہ چاہیے مجھے' عبداللہ......'' وہ سر اٹھا کر ازحد لجاجت سے بولی' امی نے آگے بڑھ کر سینے سے لگالیا' مزیب گہری ٹھنڈی سانس ابھرتا بڑے بھیا کی جانب متوجہ ہوا جو کہہ رہے تھے۔

''پہلے اپنی طرف سے ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں' بچہ ہے آس پاس کی کسی کالونی تک نہ چلا گیا ہو' خدانخواستہ کامیابی نہ ہوئی تو پولیس کو مطلع کریں گے۔'' مزیب کے اندر تک تھکن اتر گئی تھی' وہ ان کے نکلنے سے پہلے باہر چلا گیا لیکن...... دو گھنٹوں تک بھی کوئی نشاندہی نہ ملی تو ابو نے پولیس میں رپورٹ درج کرادی۔ اگلے چند لمحوں تک شہر کی ناکہ بندی کرادی گئی تھی اور باقاعدہ اسپیکر پر اعلان کرایا جارہا تھا۔

''ڈپٹی مجسٹریٹ ملک رازق اختر کا نواسا' عبداللہ مزیب' اغوا ہوگیا ہے' ساری پولیس چوکیاں الرٹ ہوجائیں۔'' مالا کو بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ وہ ''عبداللہ...... میرا عبداللہ'' کرتی ہوش میں آتی اور پھر بے ہوش بھی ہوجاتی۔ اسے سنبھالنا مشکل ہونے لگا تو مزیب نے سکون آور انجکشن لگوادیے خود اس کی اپنی حالت بھی غیر ہورہی تھی۔

رات سے صبح اور صبح سے پھر رات ہوگئی پر کہیں سے بھی اشارہ نہ ملا کہ عبداللہ وہاں ہے...... اور وہ کہاں ہوسکتا ہے؟ یہ سوچ سوچ کر مزیب کا دماغ شل ہوگیا۔

☆☆☆

تین دن ہوگئے تھے اور تین دنوں میں کوئی بھی خوش کن خبر محض فریب دینے کے لیے بھی اشارتاً نہیں ملی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے تین دن نہیں تین صدیاں بیت گئی ہوں۔ مالا کی جسمانی و ذہنی حالت نہایت ابتر تھی' بیٹھے بیٹھے ہی اچانک چلانے لگتی۔

''میرے بچے کو مار ڈالا ہوگا ان ظالموں نے...... مرگیا ہوگا وہ...... زندہ ہوتا تو مل نہ جاتا۔'' اسے سنبھالنے والے خود بھی سسکیاں بھرنے پر مجبور ہوجاتے۔

پولیس کے ہائی الرٹ ہونے کے باوجود بھی مایوسی گلے پڑ رہی تھی' ایسے میں مالا ہی نہیں مزیب بھی اندوہناک سوچوں کا شکار ہورہا تھا۔

''پتا نہیں کہاں ہوگا...... کس حال میں ہوگا؟ میرے بغیر ایک رات بھی کہیں نہیں ٹھہرتا تھا اور اب......'' مسلسل گریہ زاری کی وجہ سے گلا ہی بیٹھ گیا تھا۔ نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا' مزیب نے اپنے سامنے بٹھا کر لقمے کھلائے پر یہ سوچ دماغ پر اس قدر حاوی ہوئی کہ نامعلوم عبداللہ نے بھی کچھ کھایا ہوگا یا نہیں...... نوالے حلق میں کانٹے بن کر جا چبھے...... اس نے کھانے سے ہی ہاتھ کھینچ لیا۔

تین دن متواتر وسوسوں کی زد میں رہنے کے بعد اس رات بالآخر اغوا کاروں کا فون آہی گیا۔ اتفاق ہی تھا کہ مزیب اور ابو اس وقت گھر پر موجود تھے۔ امی دونوں بھابیاں' رملہ اور مزنہ سوگواریت کا سمبل بنی بیٹھی تھیں اور مالا وقتاً فوقتاً سسکیاں لے رہی تھی جب پی ٹی سی ایل فون سیٹ کی بیل گونج اٹھی۔ مزیب نے تیسری

بیل پر ریسیور کان سے لگایا تھا اور بے دلی سے ہیلو کہنے کے فوراً بعد ہی ان کے چہرے کے تاثرات یکلخت سخت ترین ہو گئے۔

"کون ہو تم لوگ اور میرا بچہ کس مقصد کی خاطر اغوا کیا ہے؟" اس کے غرا کے پوچھنے پر سبھی کے حواس ہوشیار ہو گئے تھے ابو تو مزیب کے قریب آ کھڑے ہوئے..... مالا بھی تیزی سے صوفہ چھوڑ کر اس کے پاس آئی تھی۔

"بات کراؤ میری اس سے۔" مزیب نے درشتی سے یہ کہا تو مالا اس کا کندھا جھنجوڑنے لگی۔

"مم..... میں بات کروں گی۔ مجھے آواز سننی ہے اپنے بیٹے کی' فون مجھے دیں۔" وہ بے قابو ہو رہی تھی' مزیب نے اسے آہستگی سے پیچھے ہٹایا تھا۔

"واٹ..... پچاس لاکھ۔" یقیناً یہ ان کی ڈیمانڈ تھی' ہر فرد اپنی جگہ دل تھام کر رہ گیا اور تاوان بتانے کے بعد سلسلہ بھی منقطع ہو گیا تھا۔

"وہ لوگ تاوان طلب کر رہے ہیں اور....." ریسیور پٹخ کر مزیب قریبی صوفے پر ڈھے گیا۔ بری طرح سے پیشانی مسل کر اس نے اندر کا اضطراب کم کرنا چاہا تھا۔

"منع کر رہے تھے پولیس کو اطلاع نہ دوں' دوسری صورت میں....." اتنا کہہ کر وہ دانستہ چپ ہو گیا۔ کمرے میں کئی نسوانی سسکیاں گونج اٹھی تھیں۔

"بکواس کر رہے تھے اب تو لازمی پولیس کو بتانا پڑے گا کسی نہ کسی طرح سے انہیں ٹریس کرنا لازمی ہے' صبر اور حوصلے سے کام لینا ہو گا' چلو مزیب..... ابھی چلتے ہیں اے ایس پی نواز کے پاس۔" ابو نے اچھا خاصا مشتعل ہو کر کہا تھا۔ مزیب بلا تاخیر ان کی ہمراہی میں باہر نکل گیا۔ پیچھے مالا غش کھا کر گری تھی۔

☆☆☆

"مالا اپنے کمرے میں ہے بیٹا..... سو گئی تھی تو میں باہر آ گئی۔" رات بارہ بجے کے قریب وہ آیا تو امی نے کھانے کا پوچھنے کے بعد مالا کے متعلق بتایا' وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ دونوں بھابیاں رات کے ٹائم اپنے گھر روانہ ہو جاتی تھیں۔ امی البتہ یہیں رہ رہی تھیں۔ بے حد تھکا تھکا نڈھال سا وہ بیڈ روم میں داخل ہوا تو سامنے ہی مالا آنکھیں وا کیے چت لیٹی ہوئی تھی۔ اگرچہ بہت آہستگی سے آیا تھا لیکن مالا نے فوراً گردن گھما کر اسے دیکھا تھا اور نہایت پھرتی سے اٹھ کر اس تک آئی تھی۔

"مزیب....." اس کے دونوں کالر کھسوٹ کر وہ تیزی سے بولی "آپ..... آپ دے دیں پیسے جتنا وہ کہتے ہیں سارا دے دیں گھر بیچ دیں' میرے زیور لے جائیں لیکن..... لیکن پولیس میں اطلاع نہ دیں' انہوں نے دھمکی دی ہے ناں پولیس کو بتانے پر وہ میرے عبداللہ کو مار ڈالیں گے۔ نہیں مزیب..... نہیں آپ جلدی سے پیسوں کا انتظام کر کے انہیں دیں نہ جلدی..... پولیس کی مدد کے بغیر..... سن رہے ہیں ناں آپ۔" اس کے کالر ہاتھوں میں جکڑ کر وہ ہانپ ہانپ کر بول رہی تھی۔ آنکھیں تواتر سے آنسو چھلکا رہی تھیں۔ مزیب نے بغور اسے دیکھنے کے بعد اس کے ہاتھوں سے اپنی شرٹ آزاد کی تھی۔

"مالا....." پھر اس پر بے رونق و بے تاثر نظر جما کر بولا تو آواز شدتِ کرب سے بھاری ہو رہی تھی۔ "تم..... تم ہو ناں اس سارے کرائسس کی ذمے دار..... مانتی ہو ناں..... یہ ساری ٹریجڈی صرف اور صرف تمہاری وجہ سے پھیلی ہے..... ہے ناں.....!!!" مالا کو لگا اس کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی ہے' آنکھیں پھاڑے غیر یقینی سی گھورے..... وہ اسے دیکھے گئی جو یقیناً جوابی باہر بھول آیا تھا۔

"منع کیا تھا ناں میں نے تمہیں..... بہت شدت سے بہت بار..... ہر روز..... مجھے چڑ ہوتی تھی اس عورت کا اپنے گھر میں انوالو ہونے سے لیکن تم نے ہمیشہ کی طرح میری بات ماننے لائق ہی نہیں سمجھی..... ظاہر ہے تم مجھے کسی لائق جانتیں تو میری بات کو بھی اہمیت دیتیں..... ایک انجان عورت کو اتنا سر پر چڑھا لیا کہ وہ میری سب سے قیمتی متاع لے بھاگی..... سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ڈاکا ڈالتی' زیور لے جاتی تو میں تمہیں معاف کر دیتا

لیکن وہ تو میری سب سے اہم دولت لے اڑی..... بولو مالا میں اس کا حساب تم سے کیسے لوں؟" سرد سے لہجے میں بولتا وہ انتہا درجے کا کٹھور لگ رہا تھا۔ برفیلے لہجے نے مالا کا وجود بھی ٹھنڈا کر دیا تھا۔ ایک ایک لفظ اندر کہیں تیر بن کر پیوست ہوا تھا اور وہ حقیقتاً درد سے بے حال ہو گئی لیکن سامنے کھڑا محبوب شوہر اس کی حالت سے بے نیاز اپنے اندر کا غبار باہر نکالتے تھک نہیں رہا تھا۔

"مالا..... تم تو اپنا درد' اپنا دکھ آنسوؤں کی صورت ایک ایک کے سامنے بہا کر بیان کر دیتی ہو' مجھے بتاؤ میں اپنے اندر کا غم کس کے سامنے ظاہر کروں..... کس کے کندھے پر سر رکھ کر روؤں کہ صرف مالا کی ہی نہیں میری بھی زیست بے رنگ ہو گئی ہے۔ مجھے بھی اپنے اولاد کے کم ہونے کا اتنا ہی غم ہے جتنا کہ تمہیں۔" اب کی بار وہ بے حد شکستگی اوڑھ کر بولا تھا۔ مالا کے آنسو بے آواز جھر جھر بہتے رہے اور وہ جو اس کے آنسو دیکھ کر بے قرار ہو اٹھتا تھا اس وقت کٹھور بنا کسی اور دیس کا باسی لگ رہا تھا۔

"آپ..... آپ کیا کہہ رہے ہیں مزیب؟" بدقت تمام وہ آواز نکال پائی تھی۔

"وہی جو تم سن رہی ہو..... اور سمجھ رہی ہو مالا بیگم تم اتنی تو ناسمجھ یا کم عمر نہیں ہو کہ اندازہ ہی نہ کر سکو میری سخت ناپسندیدگی کا..... جس عورت سے میں خار کھاتا تھا اسے تم نے صبح شام میرے گھر کا رستہ دکھا کر اس کے منصوبے کے لیے راہیں ہموار کیں..... یہیں نہیں اس شام عبداللہ کے ہمراہ چیز لینے بھی اسے بھیجا اور خود گہری نیند سو گئیں جیسے وہ اپنے باپ کی رشتے دار کے ہمراہ ہو۔" مزیب کے شرربار الفاظ کی گرج میں وہ "نہیں..... نہیں" تواتر سے کہتی چلی گئی۔

"یاد رکھو..... اگر عبداللہ کو اتنا سا بھی کچھ ہوا..... اتنا سا بھی۔" مزیب نے انگوٹھا اور انگلی ملا کر کہا تھا "تو میں تمہیں کبھی بھی معاف نہیں کروں گا' کبھی بھی نہیں۔" جتنی خاموشی سے وہ کمرے میں آیا تھا اس سے کہیں زیادہ تیزی سے وہ باہر گیا تھا۔ مالا کو بے جان کر کے..... وہ وہیں قالین پر دُہری ہو کر گھٹی گھٹی سسکیاں لیتی رہی۔

☆☆☆

ابو کے تعلقات صرف اے ایس پی تک نہیں بلکہ ضلعی ناظم اور ایم این اے تک ان کی رسائی تھی۔ خود تو سیاست میں عملی طور پر حصہ نہیں لیتے تھے لیکن ناظم اور ایم این اے کی جیت میں کسی حد تک ان کا بھی ہاتھ ہوتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ ان کی جاگیردارانہ حیثیت تھی۔

یوں..... عبداللہ کی بازیابی کے لیے شہر کی پولیس کو ایک پاؤں پر کھڑا ہونا پڑ گیا اور اغوا کاروں کی قسمت کی تاریکی کہ انہوں نے تاوان کی طلبی کے لیے فون کو ذریعہ بنایا۔ یہی فون کالز ان کے گلے کا پھندا بن گئیں۔ ان کالز کو ریکارڈ اینڈ ٹریپ کر کے دو ہفتوں کے اندر پولیس اس گروہ کے ٹھکانے پر اسے اریسٹ کرنے کے لیے موجود تھی۔

چھ سات نوجوانوں کے اس گروپ کے لیے کریمن ایک اہم پرزہ تھی' جو نہ جانے کتنے گھروں کے چراغ پرائی گران کی لو مدھم کرنے یا سرے سے بجھانے کا سبب بنی تھی اور اس بات پر مزیب شکر پڑھتے تھک نہیں رہا تھا کہ بے شک عبداللہ کی کنڈیشن بہت خراب تھی' خوف کے انمٹ نقوش تھے جو اس کے دل و دماغ پر ثبت ہو گئے تھے لیکن بہرحال وہ زندہ تھا اور ان سب کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔

پہلے پہل تو یہ سن کر کہ فون کالز جس علاقے کے پی سی او سے کی جاتی تھیں وہ صوبۂ سرحد کا علاقہ تھا مزیب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کہاں میران شاہ جہاں عبداللہ کو لے جایا گیا تھا اور کہاں ان کا شہر..... سارے سفر کے دوران مزیب کا خون خشک رہا تھا۔ جان بلب کر دینے والے خیالات تمام راستہ حاوی رہے تھے لیکن کوئی تو نیکی ہو گی ان کی جو اللہ کے یہاں قبولیت کے درجے تک پہنچی ہو گی تبھی تو زندہ سلامت عبداللہ کو اپنے سامنے دیکھ کر مزیب کی آنکھیں فرطِ مسرت و تشکر سے نم ہو گئیں۔ کتنی ہی دیر تک وہ عبداللہ کو سینے سے لگائے چومتا رہا تھا۔ چونکہ عبداللہ کی گمشدگی کی خبر کیبل پر بھی دی گئی

تھی علاوہ اخبارات کے سارے شہر کے علم میں تھا کہ ڈپٹی مجسٹریٹ کا نواسا اغوا ہوگیا ہے اور اب جب اس کی بازیابی ہوئی تو ایک عالم نے خوشی کا اظہار کیا۔

جس وقت حزیب کی گاڑی اپنی اسٹریٹ میں داخل ہوئی گھر کے اندر موجود خواتین میں ہلچل مچ گئی مالا ننگے پیر اور سر گلی میں بھاگی آئی۔ یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ عبداللہ واپس آگیا ہے۔ وہ اسے چوم چوم کر تھک نہیں رہی تھی جو خود تھکن اور خوف کے زیر اثر ادھ موا سا ہورہا تھا۔ بہت خوبصورت دن تھا۔ روشن اور چمکیلا...... سب نے مل کر اس روشنی کے سبب پیدا کرنے والے کا شکرانے کے نوافل پڑھ کر شکریہ ادا کیا تھا۔

☆☆☆

عبداللہ کی خیریت سے آمد کے بیسویں روز امی نے بھی گھر جانے کا قصد کر ہی لیا۔ کافی دن ہوگئے تھے انہیں مالا کے یہاں رہتے ہوئے۔ اب رملہ کے بلاووں میں شدت سی آئی تو انہیں حزیب سے اجازت لیتے ہی بنی یوں بھی اب مالا ہی نہیں عبداللہ بھی قدرے سنبھل گیا تھا۔

''امی...... میں اور عبداللہ بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔'' بڑے بھیا امی کو لینے آئے بیٹھے تھے جب مالا نے اچانک ہی کہہ کر صرف حزیب کو ہی نہیں امی اور بڑے بھیا کو بھی چونکنے پر مجبور کردیا۔

''کیوں......؟'' حزیب کے لبوں سے یہ لفظ ادا ہوتے ہوتے رہ گیا جبکہ امی نے ابرو چڑھا کر حیرت سے پوچھا۔

''بس یوں ہی...!'' اس نے بے پروائی جتانی چاہی جانتی تھی حزیب کی گہری نظریں اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور وہ بھی بخوبی جانتا تھا کہ مالا میکے جانے کا کیوں کہہ رہی ہے؟ جب سے عبداللہ کے اغوا کا الزام اس نے اس کے سر پہ دُہرا تھا تب سے آج تک وہ اس سے بے اعتنائی برت رہی تھی۔ کتراتی پھر رہی تھی اتنا کہ بات تک نہیں کررہی تھی...... لیکن امی تو یہ سب نہیں جانتی تھیں تب ہی ایک دم تند سے لہجے میں بولیں۔

''دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا...... اتنے عرصے کے بعد تو گھر میں سکون کی لہر دوڑی ہے سب مطمئن ہوئے ہیں تمہارا میکے آنے کا کیا جواز بنتا ہے؟ حزیب تنگ ہوگا یہاں اکیلے۔'' مارے غصے کے مالا نے ہونٹ بھینچ لیے۔

''بغیر جواز کے میں میکے نہیں آسکتی کیا؟'' صدمے کے باعث آواز بھرا گئی۔

''کوئی بات نہیں امی میں تنگ نہیں ہوں گا آپ منع مت کریں۔'' گہری سانس لینے کے بعد حزیب نے آہستگی سے کہا تو بڑے بھیا بھی حمایت کرنے لگے۔ مالا کے آنسو بس بہنے کو تیار تھے جبکہ امی کا موڈ سخت آف ہوگیا تھا۔

''میں نہیں جاؤں گا میں پاپا کے پاس رہوں گا۔'' دفعتاً حزیب کی گود میں کب سے چپ بیٹھا عبداللہ بول اٹھا۔ امی نے عجیب سی نظروں سے مالا کو دیکھا۔ گویا کہہ رہی ہوں ''اب بولو۔''

''ٹھیک ہے گڑیا ابھی عبداللہ کا دل نہیں چاہ رہا اگلے ہفتے یا اس کے بعد پروگرام بنالینا۔'' بڑے بھیا نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر نرمی سے تسلی دی تھی کہ جو بالکل بجھ سی گئی تھی۔ امی کا سارا غصہ اس کا اترا چہرہ دیکھ کر کافور ہوگیا تھا۔ جاتے وقت اسے خوب تسلی دے گئی تھیں۔

''اگلے ہفتے میں خود لے جاؤں گی اپنی بیٹی کو۔'' ان کے جانے کے بعد ایک دم گھر میں سناٹا سا اتر آیا۔ مالا بھاری دل کے ساتھ کچن سمیٹتی رہی پھر عبداللہ کے پاس جالیٹی۔ جب سے عبداللہ واپس آیا تھا وہ اس کے کمرے میں سونے لگی تھی۔ امی کو یہ کہہ کر مطمئن کیا تھا کہ عبداللہ ابھی اکیلے سونے کے تصور سے خوفزدہ ہے۔ نیند میں ڈر کے اٹھ جاتا ہے اسی وجہ سے...... پر آج عبداللہ کو سوئے بہ مشکل آدھا گھنٹا ہوا ہوگا کہ حزیب ہلکی سی دستک دے کر اندر آگیا۔ مالا نے جھٹ آنکھیں بند کرلی تھیں۔

''مالا...... اگر جاگ رہی ہو تو پلیز ایک کپ چائے بنادو سر میں شدید درد ہورہا ہے۔ کوئی پین کلر بھی لیتی آنا۔'' جانتا تھا وہ جاگ رہی ہے تبھی نرم سے لہجے میں اپنا مدعا بیان کرکے واپس پلٹ گیا۔

''خود نہیں بنا سکتے میرے سر پہ آگئے' جانتے بھی ہیں میں ناراض ہوں'' وہ اندر ہی اندر کلستی رہی' پر حکم مانے بنا بھی چارہ نہیں تھا کچھ ''شدید سر درد'' کا سن کر دل پریشان ہوگیا تھا سو وہ دوپٹا گلے میں ڈال کر کچن میں آگئی۔ ایک کپ چائے تیار کرنے میں دیر ہی کتنی لگتی تھی۔

اگلے چند لمحوں میں وہ شکل پہ بارہ بجائے چائے کا کپ لیے اپنے ہی بیڈ روم میں یوں داخل ہورہی تھی جیسے دشمنوں کا ہو۔ حزیب بیڈ پر دراز تھا۔ بڑی بھرپور کیفیت سے اس کے روٹھے چہرے کو دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔ کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھنے کے بعد دراز میں سے پین کلر نکالی اور رکھ کر پلٹی ہی تھی کہ وہ سامنے آگیا۔ ہشاش بشاش سا۔

''اتنے دنوں کی ناراضی کافی ہے میرے لیے ابھی اور کتنی سزا دو گی؟'' اپنے مخصوص انداز و لہجے میں اس نے مالا کو اسیر کرنے کی ابتدا کی جو دل کو دھڑکانے میں لگی ہوئی تھی ''خبردار جو سرینڈر کیا تو۔''

''پلیز...... مجھے عبداللہ کے پاس جانا ہے۔'' آج پہلی مرتبہ اپنے آنسو برے لگے خوامخواہ ہی گلے میں اٹک گئے۔ وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ کم از کم آج تو نہیں ہمیشہ...... ہر دم اس کی محبت کا دم بھرنے والے محبوب شوہر نے اس دن گویا اس کی جان ہی نکال دی تھی وہ الفاظ کہہ کر...... اپنا آپ گرا ہوا محسوس ہورہا تھا اسے سچ تو یہ تھا جسم طوفان کی زد میں آگیا تھا۔ شہد آگیں زبان رکھنے والے حزیب کے حلق سے وہ طعنہ زنی اندر

باہر سٹنی دوڑا گئی تھی۔ ایسے میں کون سا ایسا لمحہ تھا جب وہ ان الفاظ کو یاد کر کے نئے سرے سے اذیت کا شکار نہیں ہوئی تھی۔ اب اس کا اتنا بھی حق نہیں بنتا تھا کہ وہ عریب سے ناراض ہو جائے۔

"ناراض ہو؟" وہی اپنے حصار میں لینے والا گمبھیر انداز۔

"جی نہیں..... پھولوں کے ہار پہنائے تھے آپ نے مجھے بہت خوش ہوں۔"

"سر سے پیر تک شرمندہ ہوں جو مرضی سزا دو لیکن یوں بے اعتنائی نہ برتو۔"

"میری بے اعتنائی سے آپ کو کیا سروکار؟ کیا لگتی ہوں میں آپ کی؟ اور آپ کے شرمندہ ہونے سے میری وہ اذیت تو کم نہیں ہوگی جو آپ کی غلط فہمی کی وجہ سے مجھے ہوئی ہے..... کسی لوح کی طرح وہ الفاظ میرے دل پر نقش ہو گئے ہیں، کبھی نہ مٹنے کے لیے مجھے یاد آ آ کر تڑپانے کے لیے۔" آنسوؤں پر اختیار نہیں رہا تھا بہت شدت سے روتے ہوئے وہ بولی تو عریب کو بھی دکھی کر گئی۔

"سب کچھ..... میری سب کچھ تو تم ہی ہو تمہاری بے اعتنائی سے مجھے اتنا سروکار ہے کہ میں اسے سہہ نہیں پاؤں گا بالکل بھی نہیں۔" وہ اسے بازوؤں سے تھام کر احساس بے بسی سے بولا تھا۔

"ہاتھ مت لگایئے مجھے..... نہیں..... چھوڑ دیں۔" اس کے ہاتھوں کو جھٹک کر وہ آگے بڑھنے لگی کہ عریب نے پکڑ لیا۔

"بس بالا..... بس کرو جان نہیں سہہ پاؤں گا تمہارا یہ رویہ..... مر جاؤں گا، قسم سے مر جاؤں گا۔" اسے خود سے قریب کر کے سرگوشی نما الفاظ شکستگی میں ڈوب کر کہے۔ ہر ہر لفظ سے تھکن عیاں تھی۔ بے چارگی جھلک رہی تھی بالا پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اس کے سینے سے جا لگی۔

"انتہا سے زیادہ برے ہیں آپ پہلے تکلیف دی اب مرنے کی باتیں کر رہے ہیں کیوں ہوئے تھے خفا مجھ پر کوئی ماں اپنے ہاتھوں سے اپنا بیٹا اغوا کرا سکتی ہے؟ کیوں کیا تھا ایسے؟"

"پاگل ہو گیا تھا جو اس کو جیتا تھا کہا تو سزا دو منظور ہوگی لیکن ناراض نہیں ہونا۔" وہ اس کے چہرے پر آئی لٹیں سنوار کر بولا۔ بالا بدستور چپکی رہی تھی۔

"سزا کوئی نہیں..... بس آئندہ مجھ پر شک کیا تو جان دے دوں گی۔" اس سے الگ ہو کر بالا نے کہا تھا عریب نے مسکراتے ہوئے جھٹ اپنے کان پکڑ لیے تھے۔

"اب آگے کیا عزم ہے کل سے کسی اور کو دیکھنا شروع کر دوں..... تمہاری طبیعت؟" اسے بانہوں میں رکھ کر عریب نے بظاہر سنجیدگی سے پوچھا تھا وہ اس سے بھی زیادہ سنجیدہ ہو کر بولی۔

"ہرگز نہیں نا بالکل بھی نہیں، کبھی بھی نہیں میں دس بار بھی کہیں پر تلف ہو جاؤں تو بھی نوکرانی بن کر رہوں گی۔"

"سوچ لو۔" عریب نے دلچسپی سے کہا، اتنا بھر پور ہنسانے والا تھا۔

"سوچ لیا اپنے ہاتھ سے گھر کا ایک ایک کام کروں گی۔ پھر جب بہو آئے گی تو اس سے کرواؤں گی۔" عریب نے کافی دنوں کے بعد اونچا قہقہہ لگایا تھا۔

"اگر بہو تمہاری طرح کی ہی آئی میں تک چڑھی تو....." بالا کچھ کہی کی سوچ رہی ہے تب ہی سر جھکا کر مسکرانے لگی۔

"تب یہ خادم تو ہو گا نا اپنی پیاری بیوی کی خدمت کے لیے سب کام کر دیا کروں گا۔"

"چلیں تب کی تب دیکھیں گے ابھی تو مجھے عبداللہ کے پاس جانا ہے۔" عریب کی کسی بھی قسم کی پیش قدمی سے بچنے کے لیے وہ دوڑ کر دروازے سے نکل گئی تھی۔

"یار آج کی رات تو میرے نام لکھ جاؤ۔" عریب کی شوخ سی پکار ابھری تھی۔

وہ ٹھینگا دکھاتی باہر چلی گئی وہ بھی سرشار سا پیچھے لپکا تھا کہ گزشتہ کی راتوں کا حساب کتاب آج کرنا تھا۔

☆☆